خرابہ

پہلی بار: ... ... جنوری ۱۹۷۳ء

زیر اہتمام: ... ... پریم گوپال متل

مطبع: ... ... یونین پرنٹنگ پریس، دہلی

قیمت: ... ... دس روپے

من موہن تلخ

کا تیسرا مجموعۂ کلام

ناشر

پی۔ کے۔ پبلیکیشنز

۳۰۷۲۔ پرتاپ اسٹریٹ، گولا مارکیٹ، دریا گنج، دہلی ۶

عوضِ خوں طلبِ نور تھی اے شمعِ خیال
کر دیا خاک ہی تو نے تو جلا کر ہم کو

من موہن تلخ

کا تیسرا مجموعۂ کلام

ناشر

پی۔ کے پبلیکیشنز

۳۰۷۲۔ پرتاپ اسٹریٹ، گولا مارکیٹ، دریا گنج، دہلی ۶

عوضِ خوں طلبِ نور تھی اے شمعِ خیال
کر دیا خاک ہی تو نے تو جلا کر ہم کو

فہرست

کلوزاپ

۱

وہی سیڑھیاں ہیں مرے گھر کی لیکن
مجھے یوں لگا ہے
مرے پاؤں دھرتے ہی وہ کچھ سرکنے لگی ہیں
کھسکنے لگی ہیں
میں ڈر کے گلی میں کھڑا ہوں
—— نہیں !
میں تو شاید گٹر میں پڑا ہوں
(تو کیا سائیر نیو ہوں میں بھی ؟
بہت لمبی تھی ناک جس کی
گٹر جس کا میدانِ جنگ اور دشمن تھا نامرد ؟)
لیکن مری ناک لمبی کہاں ہے ؟
(مری ناک لمبی ہے)
خود کو میں سب سے بڑا مانتا ہوں

(مجھے جمع مجھ میں کرو ، ضرب دو مجھ کو مجھ سے
تو دیکھو میں کتنا بڑا ہوں)
مگر میں تو ڈر کے گلی میں کھڑا ہوں
مجھے لگ رہا ہے
میں ذاتوں کی تفریق و تقسیم کا ہوں وہ حاصل
کہ جو عمر کی طرح بڑھتے ہوئے گھٹ رہا ہے
(تعلق کا میں فارمولا ہوں شاید)
ہر اک شخص مجھ سے پرے ہٹ رہا ہے
(تعلق کا میں فارمولا نہیں ہوں)
میں لوگوں کے ذہنوں کی تھیوری ہوں شاید
بغیرِ وضاحت سبھی نے جسے کر دیا رد
—نہیں!
میں ہوں خود اپنی ہی سوچ کی حد
مجھے لگ رہا ہے
مرے گھر کی بنیاد ہی ڈھ رہی ہے
وہ لڑکی!
کہ جس سے رہا ایک عرصہ تعلق
(نہ جانے اسے حاملہ کیوں نہ میں نے کیا تھا!)
وہ اُوپر مرے گھر میں
سب کچھ مری بیوی سے کہہ رہی ہے
کوئی گندی نالی کسی ذات میں بہہ رہی ہے

(ہر اک ذات اک دوسرے کا گٹر ہے)
مجھے لگ رہا ہے
وہ لڑکی ہی بیوی ہے میری
(جسے جس نے رستہ نہ اپنے بدن میں دیا تھا)
— نہیں!

میری بیوی وہ لڑکی ہے شاید
جو اپنے بدن میں جگہ دے کے مجھ کو
مجھے عمر بھر کے لیے سہہ رہی ہے
— نہیں!

وہ جو لڑکی ہے
شاید مری بیوی کے جسم میں رہ رہی ہے
(مرے گھر کی بنیاد کیوں ڈھ رہی ہے؟)
مجھے لگ رہا ہے
وہ اوپر کی منزل
مری فکر کی ایک اندھی گپھا سی
جسے میں یہ کہتا ہوں میرا مکاں ہے
جو اندر کی، باہر کی، ہر جنگ میں میری جائے اماں ہے
مجھے یہ گماں ہے
کہ شاید میں زخمی ہوں، گھر میں پڑا ہوں
(مگر میں تو ڈر کے گلی میں کھڑا ہوں)
مجھے لگ رہا ہے میں اُڑنے لگا ہوں

— نہیں!
میں تو خود ہی گلی بن کے وہ موڑ مُڑنے لگا ہوں
جہاں سے گٹر میں سبھی نالیاں گر رہی ہیں
(کئی یادیں رستہ نہ پاکر مری ذات میں چیختی پھر رہی ہیں)
مجھے لگ رہا ہے
میں گھر میں ہوں، باہر ہوں، چاروں طرف میرے
دیواریں گرتی چلی جا رہی ہیں
مجھے ان میں چن دو
— نہیں!
مجھ کو ان سے بچا لو
کہ مرنا ہے نامرد کے ہاتھوں اک دن گٹر میں جو مجھ کو
مجھے لگ رہا ہے
مرے بیوی بچے
مری ذات کو منقسم کر کے
مجھ سے کسی مختلف شخص کا آسرا لے چکے ہیں
وہ جو کوئی بھی اور ہے میرے گھر میں پڑا ہے
— نہیں!
وہ مرے ساتھ شاید گلی میں کھڑا ہے
میں اس سے بڑا ہوں وہ مجھ سے بڑا ہے
— نہیں!
اُس کو شاید

— نہیں !
مجھ کو شاید
عجب خوف سا ہے
میں کھاؤں گا اس کو وہ کھالے گا مجھ کو
مجھے لگ رہا ہے
طلاق اپنے ہی آپ کو دے کے میں آ رہا ہوں
تو پھر کس لیے اب میں اس بات پر اتنا گھبرا رہا ہوں
کہ میں جو کبھی ہوں با رہا وہ نہیں اور وہی با رہا ہوں
مجھے کیا ؟ کوئی کچھ بھی سوچے
یہ سیڑھی بھی رستہ نہیں دے رہی تو بلا سے
کہ میں جا رہا ہوں
میں سُن سا رہا ہوں
مجھے دیکھ کر میرے بچّے نے اُوپر سے مجھ کو صدا دی ہے
"— ڈیڈی !"

.....

"رُکو بیٹے ! میں آ رہا ہوں۔"

۲

مرا بھی کوئی نام ہے ترا بھی کوئی نام ہے
یہ میرے ساتھ تیرے ساتھ
کس کا انتقام ہے
وہ رسم کس قدر بڑی تھی جب یہ نام طے ہوئے
وہ دن عجیب دن رہا
کہ ہم جب ایک دوسرے کو جاننے کی شے ہوئے
اس ایک دن میں
زندگی کے سارے دن گزر گئے
(ہم اپنا اپنا نام اوڑھ کر گھٹن سے مر گئے)
تو اب!
جو ہم یہ جی رہے ہیں
اس کا کیا جواب ہے

یہ زندگی ہے
یا کہ صبحِ مرگ کا وہ خواب ہے

جو ٹوٹنے نہ ٹوٹنے پہ ایک سا عذاب ہے
چلو کہ یہ بھی ٹھیک ہے
یہ نام اپنے واسطے سہولتوں کی بھیک ہے
کہ آج ایک دوسرے کو جاننا بھی سہل ہے
نہ جاننا بھی سہل ہے
یہ ایک نام ایک پُل
(شکستہ اور قدیم سا)
جسے نہ ہم عبور کر سکے کبھی
یہ ایک ذات ایک موسمی ندی
یہ باڑھ سی وقار کی
یہ ایک نام ایک چڑھ
یہ پستیوں کی رزم گاہ
جس میں آج تک کمینے لوگ محوِ جنگ ہیں
ہماری بیویاں متاعِ جنگِ نام و ننگ ہیں
تو کیوں نہ ہم
اس اپنی اپنی جنگ میں
"مہذبوں" کو جھونک دیں
اگر کبھی یہ ہو سکے
اگر کبھی یہ کر سکیں
تو دوڑتے وقار کی خلائی دھول گرد میں
نڈھال فرد فرد میں

یہ دیکھ لیں

کہ میرا نام

تیرا نام

اپنی اپنی ذات کا جواب یا سوال ہے

عجیب سا خیال ہے / عجیب سی مثال ہے

(نہ رد ہی کر سکے جسے نہ ہم قبول کر سکے)

یہ نام جیسے بیویوں کا من گھڑت کنوارپن

وہ پہلے مرد کا بدن

پناہ گاہ جس کی شوہروں کا نام بن گیا / بگڑتا کام بن گیا

(مرا بھی کوئی نام ہے ترا بھی کوئی نام ہے)

چلو کہ یہ بھی ٹھیک ہے

کہ بیویوں کے واسطے یہ نام ایک بھیک ہے

(یہ بیویاں جو کچھ برس کے بعد ہم کو چھوڑ دیں

تو اس میں کیا بُرائی ہے)

بدن کی بھوک مٹ سکے

تو کیا ضرورجی کا یہ وبال ہے

یہ کس کنوارپن کو توڑنے میں ڈھیر ہیں بدن

ہمارا جسم کس قدر نڈھال ہے

مری تھکن

تری تھکن

یہ بیویوں کی بھیک کا جواب یا سوال ہے

یہ نام اک تھکا تھکا کنوارپن

چلو کہ یوں بھی ٹھیک ہے

کہ میری تیری زندگی کنوارپن کی بھیک ہے

نہ ہم یہ بھیک لے سکے

نہ ہم یہ بھیک دے سکے

تھکے تھکے

ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں دوڑتے ہوئے

یہ قرب ہفت منزلہ یہ کمرہ کمرہ فاصلے

یہ لفٹ لفٹ قربتیں

یہ چہرہ چہرہ اڑتی مسکراہٹوں کی مہلتیں

یہ ٹوٹتی محبتیں

(کسی کی آنکھ اپنے چہرے پر جو آ کے رک گئی

تو اپنی آنکھ جھک گئی)

یہ جھانکتا بچاؤ سا نظر نظر

یہ زینہ زینہ موڑ پر

لٹکتی نام تختیاں

یہ زندگی کی سختیاں

(نہ جانے باس کب مجھے — تجھے —

کسی کو توڑ دے)

بغیر لفظ کی صدا ہیں — میں کہ تو

چلو کہ یہ بھی ٹھیک ہے

کہ لے کے کاسہ نام کا
مجھے
تجھے !
رفاقتوں کی مانگنی تو بھیک ہے
تو کون دے ؟
کسی کو خود پہ ہے یقیں ؟
کہ میرا تیرا نام شاید اک بہت "بڑی" نہیں"

۳

مرا بدن ـــــ اک عجب تھکن ، اک شدید وحشت
کہ جیسے کچھ بھی نہ ہو سکے گا
یہ دل میں کچھ چیر پھاڑنے کی پرانی حسرت
(جو آرزو جسم کی ہو پوری تو سکھ ہی سکھ ہے)
ہر ایک جسم آج اپنا دکھ ہے
مرے وطن میں یہ چھ مہینوں کی سخت گرمی
سبھی کو چالیسویں برس پہ
جلا کے کیوں سرد کر رہی ہے
یہ چھ مہینوں کی سخت گرمی
بدن کو بھٹی بنائے جاتی ہے کتنی جلدی
مرے وطن میں
کنوار پن لڑکیوں کا ہے تیرہ اک برس تک
وہ اک جھجکتی سی پیش و پس تک

کسی کی بیداریِ ہوس تک

گلی میں کل تک
جو بچیاں اور بچے
ننگے تھے دھوپ جیسے
جوان وہ کتنے ہو گئے ہیں
(وہ ہم سے کیوں بچتے پھر رہے ہیں)
بس اپنے ہم عمر جسم کی مشک سے ہیں واقف
تو کیوں نہ ہم
ان کے فوٹو لٹکا دیں کھڑکیوں میں
گلی کی جانب
بڑے بڑے فوٹو (ان کے بچپن کے)
لیکن اس سے بھی کیا بنے گا
انھیں — میں اب کیسے پہلے کی طرح
اپنی باہوں میں بھر لوں — چوموں
یہ چھو کے دیکھوں
جوانی آئی ہے کس پہ کتنی
("بھئی وہ مینو کہاں گئی ہے
وہ اب بڑی ہو رہی ہے، تم ہو کہ بھیج دیتی ہو کھیلنے کو")
میں شاید اب اور کچھ برس بعد
گیان اور دھیان کی بھی کرنے لگوں گا باتیں

(فراڈ کیوں دھرم ہو گیا ہے ؟)
کہاں کوئی جا کے اب شرن لے ؟
یہ کوٹھیوں میں لگے ہوئے کولروں کی ٹھنڈک
وہ کولروں میں لگے لگائے مہاتماؤں کے گیان کی لو
(تمام روحانیت فرج میں لگی بیئر بن کے رہ گئی ہے)
وہ شانتی انتر آتما کی
پسینہ بن کر
کہیں کسی پارک میں گھنی جھاڑیوں کے پیچھے
جوان جسموں کے قرب کی بو میں بہہ رہی ہے
مرے وطن میں یہ جسم کا لمس کیا بلا ہے
جگہ جگہ کیوں جواں بدن "اک شدید اب" کی دہکتی بھٹّی میں جل رہے ہیں
مرے وطن کو یہ کیا ہوا ہے
جوان جسموں کو کیوں نہیں ان کے قد برابر جگہ میسّر
(مرے وطن میں یہ آرزو جسم کی ہے کیوں کرب آتما کا ؟)
مرے بدن میں
وہ ٹھنڈے دفتر کی گرم کینٹین کی ہمس ہے
کلرک میزوں کے گرد بیٹھے
ہر ایک لڑکی کے جسم، چال اور اس کی آواز کے مطابق
مکمّل انداز و طرزِ ہم بستری کی نقلیں اتار کر ہنستے جا رہے ہیں
مرے وطن میں
ہر ایک عورت کو اپنی لاچارگی کا غم ہے

یہ شوہروں کی تھکن ستم ہے
مرے بدن میں ہر ایک بیوی کی آنکھ کی جاگتی چبھن ہے
ہر ایک بیوی
خود اپنے شوہر کی اک تھکن ہے
(ہر ایک بیوی کہ منتظر مرد کی ہو جیسے)
تو پھر عجب کیا
ہر ایک بیوی کو
اپنے شوہر کا دوست
کتنا جوان اور چست لگ رہا ہے
(جبھی کوئی اپنے گھر بلاتا نہیں کسی کو)
میں اس چبھن کو / میں اس تھکن کو
بدل دوں کس طرح اس چمک میں
جو صرف نرسوں کی آنکھ میں ہے
وہ ڈاکٹر کے بدن کی خوشبو کو
اپنی آنکھوں سے سونگھ لیتی ہیں / جاگ اٹھتی ہیں
آنکھ ہی آنکھ سر سے پا تک بنی ہوئی کیسے گھومتی ہیں
ہمارے جسموں سے کوئی خوشبو نہیں جو اٹھتی
ہمارے جسموں کو کیا ہوا ہے ؟
(کہ آنکھ ہی آنکھ سر سے پا تک بنے ہوئے ہیں
مگر نہیں اپنی بیویوں کے بدن کی خوشبو کو سونگھ سکتے
پیاز آٹے کی مشک سے جو الگ ہے بالکل)

فضا فضا جسم کی مہک اڑ رہی ہے
— لیکن
مجھے خبر ہی نہیں ہے کوئی
کہ میری بیوی کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو
کہاں بھٹکتی سی پھر رہی ہے

میں آج بے حد ہی تھک گیا ہوں
گزار کر نصف شب
کلب میں
سڑک پہ ٹیکسی کا منتظر ہوں
فضا کو مے سے دھلی ہوئی سانس سے ڈس انفکٹ کر رہا ہوں
ملے جو ٹیکسی تو گھر چلوں میں
پہنچ کے گھر ایک نیند کی گولی لے کے سوؤں
کہ آج بھی
میری راہ تک تک کے
تھک کے
شاید وہ سو چکی ہو؟

ندی کنارے کا پیڑ تھا میں ، نہ بنتا پانی کی چھاؤں کیسے
میں کٹتی مٹی کا ماجرا تھا ، مجھے بچاتا بھی گاؤں کیسے

کیا مرحلہ سماعت صبر آزما کا ہے
اک بوجھ ہر زبان پہ اپنی صدا کا ہے

رہ رہ کے ہے گماں کہ یہ پہلے بھی کی ہے بات
جس لمحے کی پکڑ میں ہوں وہ کس بلا کا ہے

کوئی بھی اپنی بات میں موجود تک نہیں
یہ ربط منتظر ابھی تک ابتدا کا ہے

کوئی بھی ایک دوسرے سے بولتا نہیں
چاروں طرف یہ شور مگر کس بلا کا ہے

اس طرح بھی صداؤں میں قائم ہوا ہے ربط
چلنے تو دو جدھر بھی کہیں رخ ہوا کا ہے

اک لا پتہ سے شہر کا جیسے ہوں ددد ہم
کچھ رنگ ہی عجیب ہماری صدا کا ہے

نکلے دلوں سے بھاگتے لمحوں کا ہول تو
کب سے رکا ہوا کوئی لمحہ صدا کا ہے

آ مجھ سے بات کر کبھی پہلے کی طرح تو
آ دیکھ کتنا ڈر مجھے اپنی صدا کا ہے

امکان کا جو درد ہوا جا رہا ہوں میں
شاید کہ آج سامنا پھر ماورا کا ہے

اب آہٹوں پہ چونکنا ٹھہری ہے رسم و راہ
اک سلسلہ سا دوریٔ آوازِ پا کا ہے

کچھ گونجتا سا ہے مرے اندر کوئی کھنڈر
پڑتا ہوا سا پاؤں کسی آشنا کا ہے

اٹھتی نہیں نگاہ بھی جو دکھ ہی بانٹ لیں
کندھوں پہ کوئی بوجھ ہے، شاید ہوا کا ہے

امکانِ قرب کب سے ہے یوہنی رکا پڑا
دونوں کے بیچ فاصلہ دکھ کی صدا کا ہے

اب اس بچے بچائے تعلق کو انتظار
میری صدا کا ہے نہ تمھاری صدا کا ہے

ہر روز جمع ہوتے ہیں کچھ اجنبی کہ تلخ
اک آشنا سا نام ہر اک ہمنوا کا ہے

برسوں کے کسی دکھ میں یہ احساس پلا ہے
آ کر مرے گھر تک ہی کوئی لوٹ چلا ہے

ہر راہ پہ شاید کوئی دن ایسا ڈھلا ہے
چھو کر کسی سائے سے کوئی سایہ جلا ہے

میں جس کی پکڑ میں تھا، جو اندر کا خلا ہے
شاید مری آواز میں اب آ کے ڈھلا ہے

باتیں تو سبھی یاد ہیں تیری، یہ نہ جانے
کیوں دھیان سا آتا ہے کہ کچھ بھول چلا ہے

آ اپنے پرے رہنے کے دکھ سکھ کبھی بانٹیں
کیا جانیے کس بات میں اب کس کا بھلا ہے

ہر آنکھ رکا اشک ہر آواز دبی آگ
ذاتوں کا کوئی ڈھیر بجھا ہے نہ جلا ہے

کچھ بولتا رہتا ہے سرِ شام کھُلا گھر
بیگانہ سا کچھ دکھ ہے جو اس گھر میں پلا ہے

آ گئے تو پڑھ اس دور کے بھی عالم ہو سے
یہ ایک صدی کا نہیں، صدیوں کا خلا ہے
آ آ کے میں ملتا ہوں کہ تو مجھ کو سمجھ لے
جی ایسا کئی دن سے ہے کچھ ٹوٹ چلا ہے
یہ کس بڑی آواز کے دکھ مل گئے مجھ کو
کیوں میرے لیے میری صدا ایک بلا ہے
پہچان تو کچھ اپنی بنا دی ہے کہ ہم ہیں
یہ جو بھی تعلّق ہے بُرا ہے کہ بھلا ہے
آواز کی تخلیق کا آہنگ ہوں میں تلخ
برسوں کوئی سنّاٹا یہاں پھولا پھلا ہے

جمی جو گرد تو ہر چہرہ اپنا غم نکلا
خود اپنے آپ کو پہچاننا ستم نکلا

صدا میں دکھ کی جگہ دکھ کا جب بھرم نکلا
ہر ایک لفظ کا بس ایک چپ میں دم نکلا

پڑا ہے دل پہ وہی ربط کا سا خالی بوجھ
اکیلا ہونے میں بھی کوئی کتنا کم نکلا

سمجھ میں آ نہ رہے تھے جب ایک دوسرے کو
یہ ربط بھی اسی آزار کا کرم نکلا

عدم سماعتِ آواز کا یہ عالم ہے
کہ دشمن اپنی صدا کا ہر اک قدم نکلا

مرے خیال میں ہم تم یہیں کے باسی ہیں
جبھی تو ایک سا پہچاننے کا غم نکلا

بہت قریب سے آواز دینی پڑتی ہے
ہر ایک فاصلہ اس فاصلے سے کم نکلا

ہر ایک ذہن میں بھٹکی کوئی بڑی آواز
ہر ایک ذہن خودِ اپنا کوئی بھرم نکلا
خود اپنی ذات کے ڈر نے کیا ہے خود سے بھی دور
کوئی بھی قرب نہ اتنا بڑا ستم نکلا
دلوں میں تلخ وہ قربت کا ہول بیٹھا ہے
کوئی ہو ساتھ تو محسوس ہو کہ دم نکلا

اب اور سانحے ہم پر نہیں گزرنے کے
گزر گئے ہیں جو لمحے تھے خود سے ڈرنے کے

نہ بھاگنے کے رہے ہم نہ اب ٹھہرنے کے
وہ لمحے آئے جو آکر نہیں گزرنے کے

بڑے بڑوں نے یہاں آکے دم نہیں مارا
وہ آئے مرحلے اپنی صدا سے ڈرنے کے

یہ ایک عرصے کی چپ کی خراش اور رہی
صدا کے زخم تو چپ سے ہیں بھرنے کے

نئے سرے سے تعلق بنیں گے بگڑیں گے
کہ اب ارادے ہیں ایک ایک بات کرنے کے

دلوں میں ہول وہ بیٹھا ہے اُڑتی باتوں کا
نہ روکنے کے کسی کو، نہ خود ٹھہرنے کے

یہاں سے جاؤ تو اک اپنے جیسا چھوڑتے جاؤ
عجب رواج ہیں اس شہر سے گزرنے کے

کھو ہر اک سے کہ ہر شخص یاد کھو بیٹھا
بغیر اس کے یہ چہرے نہیں نکھرنے کے

ہم ایسے آئے ہیں جیسے ملیں گے پہلی بار
نئے نئے سے ہیں سب دردبات کہنے کے

تو کیا ہوا جو ندی نے بلی نہیں مانگی
فسانے گھڑنہ لیے سب نے پار اترنے کے

ہر ایک صبح ہے امکانِ سانحہ، ہر شام
صدائیں آتی ہیں یہ دن نہیں تھے مرنے کے

ہر ایک بات اترنے لگی ہے ذہن سے تلخ
بہت قریب ہیں اس لمحہ ہم بکھرنے کے

دونوں کو پرے ہٹتا ہوا ربط بنا کر
رہتا ہے کوئی دکھ ہمیں ہر روز ملا کر
میں اس کی کسک ہوں نہ ملا کوئی جدا کر
میں اس کی صدا ہوں کہ جو لوٹا نہیں جا کر

جس لمس صدا کے لیے دونوں ہیں ادھورے
ہم گونج ہیں اس کی جو سنیں دھیان لگا کر
اب راہ میں گم سم سے کھڑے ہیں کہ کدھر جائیں
گھر سے تو چلے آئے بہت شور مچا کر

نکلا تھا ہمیں میں سے کوئی ڈھونڈنے رستہ
دیکھیں تو سہی، لوٹ کے آیا نہیں جا کر
ہر راستہ کہتا ہے مرے ساتھ چلا چل
اندر کا کھنڈر دیکھ مری گرد اڑا کر

دکھ اپنے سمجھ میں ہمیں آنے تھے نہ آئے
کہہ کر بھی بہت دیکھ لیا، چپ بھی لگا کر

دونوں ہی مگر لوٹنے ہیں نکلے اکیلے
ہم میں ہے کوئی ایک جو لوٹا نہیں جا کر
وہ آئے گا شاید جسے پہچان ہے سب کی
سب راستہ روکے کھڑے ہیں بھیڑ لگا کر
دروازے سجا کر سبھی باہر ہی کھڑے ہیں
ہر اجنبی کو تکتے ہیں نزدیک سے آ کر
آگے تو سفر جھوٹ کا اِک عالمِ ہُو ہے
لوٹا دے ہمیں گھر کوئی آواز ڈرا کر
اک یاد کو تو دوسری سے کر کے الگ دیکھ
ملتا ہوں میں کس طرح ہر اک بات بھلا کر
یہ اپنی گلی تک مری جوگی کی سی پھیری
یہ ڈھونڈ رہا ہوں میں کسے گھر میں نہ جا کر
جس لمحے کے میں سامنے آؤں، وہی پوچھے
کیا میرے لیے لائے ہو ماضی سے بچا کر
آواز کی لو تیز ہو کتنی کہ نہ جل جائیں
یہ دیکھ رہا ہوں میں ذرا خود کو جلا کر
تجھ کو تو نہیں، میں وہ جگہ ڈھونڈ رہا ہوں
نکلا تھا ترے ساتھ کہیں خود کو بٹھا کر
حیران سے کیا میر اکھنڈر دیکھ رہے ہو
جس کا بھی جو پتھر ہے وہ لے جائے اٹھا کر

یہ چاروں طرف مِٹھتی جاتی ہے زمیں کیوں
یہ کیا ہوا دھرتی کو یہاں تک مجھے لا کر
یہ کیسی تھکن آئی تعلق میں کہ جیسے
دونوں ہی بُرا بن گئے دکھ اپنے چھپا کر
آ تلخ گلے مل عدم آواز کے دکھ سے
کچھ کہنے سے پہلے کی ہے جو رسم، ادا کر

تیرے چپ چاپ گزرنے پہ صدا سی آئے
سامنے آتے ہوئے ہونٹ بھی کیا سی آئے
جس سے آواز میں لو دیتی اُدا سی آئے
آنچ اس فکر کی مجھ تک بھی ذرا سی آئے
وہ بھی دن تھے کہ اک شام کو ہم تم شاید
پھر کبھی ملنے پہ ہر بات اٹھا سی آئے
بند کمروں میں کھلی چھت سے تعلق کی رمق
جس طرح بند ہوا میں بھی ہوا سی آئے
کس سے طے ہو نہیں پاتا مرے گھر کا زینہ
کس کے آنے کی یہ ہر لحظہ صدا سی آئے
ہم وہ ہنستا ہوا باہر ہیں کہ گھر تک جس کی
کبھی آواز بھی آئے تو ذرا سی آئے
کوئی سیلاب! کہ مجھ اندھے کنوئیں سے اکثر
جو صدا آئے کسی عکس کی پیا سی آئے

کون یہ میری طرف مجھ کو لیے جاتا ہے
کیا یہ ہر لمحہ چٹخنے کی صدا سی آئے
یاد آ جائے کہ لہجوں کے وہ رشتے کیا تھے
وہی پہلی سی جو لہجے میں ادا سی آئے
آج کی رات جو گھر گھر میں دیے روشن ہیں
کس جگہ سے یہ سبھی گم شدہ وا سی آئے
جانے گھر لوٹنے میں راستے کیوں پوچھتے ہیں
تلخ کیا بھولنے میں عمر گنوا سی آئے

صدا صدا میں بکھرتے پیام کیسے ہیں
نہ خود ہی جان سکیں، اپنے نام کیسے ہیں
یہ دوڑتے ہوئے رستوں کا ہے سفر کیسا
یہ ڈھیر ہوتے ہوئے تیز گام کیسے ہیں
کسی کو یاد نہیں ہے کہاں ملے تھے ہم
کسے بتاؤں کہ اب وہ مقام کیسے ہیں
عجب نہیں کہ مرا کوئی اک وجود نہ ہو
میں ایک ہوں تو مرے اتنے نام کیسے ہیں
بغیر لفظ کی آواز تو نہیں سُن لی؟
نہیں تو ہم سبھی محوِ کلام کیسے ہیں
ہمارے ہاں بھی بلانے کی رسم ہے تو سہی
کہیں پہنچتے نہیں یہ پیام کیسے ہیں

بنا کے خون سے تصویر خود ہی حیراں ہوں
یہ رنگ دیکھنے میں اتنے عام کیسے ہیں
دھڑک رہی ہے مرے دل میں کوئی انہونی
میں کیا بتاؤں مرے صبح و شام کیسے ہیں
میں تلخ شہر کا پروردہ، اپنی ذات کا دکھ
یہ میرے دھیان میں اجڑے مقام کیسے ہیں

یہ شب کو شہر میں خالی مکان کیسے ہیں
گلی گلی میں یہ پھر پاسبان کیسے ہیں
بنا کے آگ کا گولا مجھے کہاں پھینکا
یہ میرے چاروں طرف آسمان کیسے ہیں
حدِ صدا پہ پہنچنے کا ہے عجب منظر
ہر ایک چپ ہے کہ ہم بے زبان کیسے ہیں
چلو یہ مان لیا سب کے سب اکیلے ہیں
تو ایک دوسرے کے راز دان کیسے ہیں
ہر اک سے پوچھتے پھرتے ہیں اپنے گھر کا پتہ
یہ گھر کے لوگ ہی خود میہمان کیسے ہیں
نظر تو آئی تھیں ہاتھوں میں پھول مالائیں
جگہ جگہ یہ بدن پر نشان کیسے ہیں
یہ رونقیں مرے گھر کی یہ میرے گھر کے لوگ
یہ گھر کے اور مرے درمیان کیسے ہیں
چلو کہ شہر چلیں تلخ! کچھ تو ہو معلوم
جو کہہ رہے تھے مری داستان، کیسے ہیں

تری اُداسیوں کا ذکر سو طرح کر کے
میں جی رہا ہوں تعلق کی طرح مر مر کے
مجھی پہ بند ہیں دروازے کیوں مرے گھر کے
میں جا رہا ہوں کہاں اپنے آپ سے ڈر کے
بلا سکے نہ کبھی ہم کسی کو جی بھر کے
پکارتے رہے اپنی صدا سے ڈر ڈر کے
عجیب واسطے سے ہیں ترے لیے دل میں
مگر یہ ہونٹ کہ شاید بنے ہیں پتھر کے
تم اپنے نقشِ قدم کے یہاں دیے نہ جلاؤ
یہ سارے فاصلے ہیں میرے دیدۂ تر کے
وہ اک صدا مرے اندر سے جبکہ تو بولے
پڑی ہے کان میں تو چپ کھڑا ہوں کیوں ڈر کے
عجب نہیں ہے کہ مل جائے ہمکلام اپنا
بس اپنا نام پکارو تو جی کڑا کر کے

نہ جانے کیوں ترے جی میں کبھی نہ یہ آئے
کہ دیکھ لیں کبھی رستے میں بات ہی کر کے

یہ دل میں درد سا کیوں پھر ہے چاہے جانے کا
تو کیا میں تجھ سے بھی چاہا گیا نہ جی بھر کے

مسافرو یہ سفر جھوٹ کا مبارک ہو
کہ خواب ہو گئے سچے ہمیں میں اکثر کے

یہ ہم ہنسائے ہوئے کیسی چاہتوں کے ہیں
کہ دکھ نہ جان سکیں اپنے اپنے اندر کے

گئے ہوئے ہیں کہاں اپنا آپ چھوڑ کے ہم
دکھائی اپنی طرح دیں کھنڈر جو باہر کے

یہی تو جاننا چاہا تھا کیوں ہو بے چہرہ
یہ لوگ کس لیے دشمن ہوئے مرے سر کے

ہمیں سے تلخ ابھرنے کو ہے بڑی آواز
کہ ایسا درد ہے سب لوگ ہیں برابر کے

ان گنت گم شدہ عرصوں کی کسک ہے مجھ میں
مت صدا دو کہ قیامت کی لپک ہے مجھ میں

جان پڑتا ہے کہ ہر شخص مجھے جانتا ہے
کیا کہوں خود کہ یہی ایک جھجک ہے مجھ میں

کب کا میں ڈوب چکا اپنا ہی سورج بن کر
اب یہ کیوں گھور اندھیروں کی چمک ہے مجھ میں

بولتا رہتا ہے مجھ سے یہ تعلّق تیرا
ان کہی سی تری باتوں کی کسک ہے مجھ میں

مل رہا تھا مجھے آواز کی سرحد کا سراغ
کس نئی دھول کی اب پھر یہ مہک ہے مجھ میں

میں جہاں ہوں مجھے رہنے دو، خبر لو اپنی
وسعتیں جانتی ہیں کتنی لپک ہے مجھ میں

حرف سے کٹ کے میں تکمیلِ صدا چاہتا ہوں
جانے کس جنم کے جوگی کی ٹنک ہے مجھ میں

چھو کے دیکھو مجھے کس شخص پہ کیا بیت گئی
سینکڑوں بھاگتے لمحوں کی دھمک ہے مجھ میں

کوئی دونوں کا عجب درد سہے جاتا ہے
کچھ عجب سی ترے اندر کی جھلک ہے مجھ میں

تیری آواز سے ہوں سوچتی چپ کا صدمہ
ورنہ پاگل کی صدا کی سی ہمک ہے مجھ میں

آؤ کندھوں پہ اٹھا کر تمہیں اونچا کر دوں
جاننا چاہتے ہو کتنی لچک ہے مجھ میں

پڑ گئے پاؤں سماعت کی زمیں پر شاید
ایک اک لفظ کے معنی کی کھنک ہے مجھ میں

میری چپ سے بھی صداؤں کی شعاعیں نکلیں
ایسے لہجے کی تپسیا کی دمک ہے مجھ میں

تلخ مت دے کسی آواز کا اس لمحے جواب
اک عجب ٹوٹتا بنتا ہوا اشک ہے مجھ میں

اندھے پانی سے کبھی نیچے کا بسیرا ہوں میں

تجھ سمندر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہوں میں

لوگ سنتے ہیں مری بات، چلے جاتے ہیں

کن صداؤں کا اجڑتا ہوا ڈیرا ہوں میں

رات کیوں رہتی ہے روشن جو چھتیں ہوں آباد

کیا اندھیروں کے لیے رین بسیرا ہوں میں

کون ہے جو نہ اکیلا کبھی مجھے ہونے دے

کیسی آواز یہ آتی ہے کہ تیرا ہوں میں

ہاتھ کے ہاتھ بڑھاتے چلے جاؤ مجھ کو

دھوپ چڑھنے کو ہے، پل بھر کا سویرا ہوں میں

بس کہ پہچان کی تردید ہوا جاتا ہوں
دم بہ دم چہروں کا چھٹتا ہوا گھیرا ہوں میں
یوں بھرے گھر کی صدا روز جگاتی ہے مجھے
جیسے اک سونی کھلی چھت کا سویرا ہوں میں
تلخ آواز کے رشتے نہ یہاں قائم کر
اس بھرے شہر میں جوگی کا سا پھیرا ہوں میں

ڈرا ہوا ہوں کسی اپنے دوسرے سے میں
چھپاؤں خود کو کہاں اپنے سامنے سے میں

قبول کر مجھے، اب تک ہوں اَن سُنی آواز
کہ آ رہا ہوں صداؤں کے گم کدے سے میں

یہ عمر بھر کے بھٹکنے کو بات کافی ہے
پہیلی بنتا گیا کیسے بولنے سے میں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسے دعائیں دوں
ملا ہوں تجھ سے تو یہ کس کے واسطے سے میں

وہ شام آئی کہ شب میں پڑی ہیں سوچتا ہیں
خود آپ اپنا ہی سورج تھا دن چڑھے سے میں

رکا ہوا ہوں کسی اور کی صدا سُن کر
کہ خود کو لے تو چلوں تیرے سامنے سے میں

یہ کون شخص ہے میں اس سے مل چکا ہوں کہاں
ہٹاؤں کیسے اسے اپنے سامنے سے میں

یہ اتنی روشنیاں کیوں کھلے گھروں میں ہیں
ہر ایک در پہ صداؤوں نئے سرے سے ہیں

وہ روشنی ہوں کسی کو نہ کچھ سجھائی دے
بچا سکا نہ کبھی خود کو حادثے سے میں

میں اپنی پہلی سماعت کا دردِ امکاں ہوں
نہ جانے خود کو لگوں کیسا بولنے سے میں

یہ کیا خیال سا آیا کہ رائیگاں ہے سفر
یہ کیسے لوٹ چلا آدھے راستے سے میں

عجب گماں ہے کہ چپ ہوں تو ٹوٹ جاؤں گا
گزر رہا ہوں یہ کس ڈر کے مرحلے سے میں

میں ہو رہا ہوں ہر اک لحظہ دور کی آواز
پکڑ لوں خود کو صداؤں کے کس سرے سے میں

دکھائی دے گئی کیا حد تمام رشتوں کی
لپک پڑا ہوں کدھر اتنے فاصلے سے میں

یہ تم نے تلخ کی باتیں بتائی ہیں جتنی
ملا تو ہوں کسی ایسے ہی سر پھرے سے میں

نہ دے یہ قرب بھی رستہ نجات کا شاید
ترے بھی سامنے صحرا ہے ذات کا شاید
ہم انتقام ہیں اپنی ہی ذات کا شاید
کہ انتظار ہے دونوں کو مات کا شاید
ابھی ہے وقت صدا کے بجھے چراغ جلاؤ
یہ شام راستہ تکتی ہے رات کا شاید
وہ سوچتی ہوئی نظروں کو چُپ سی کھانے لگی
وہ ربط ٹوٹ چلا واقعات کا شاید
جہاں سے کٹ نہ گئے، ساتھ ساتھ چلتے رہے
وہی تھا مرحلہ تکمیلِ ذات کا شاید

نہ لمحہ ہے کہ نکل جا سمیٹ کر خود کو
نہ اور چھور ملے کائنات کا شاید
وہیں جلے ہیں دیے راستوں کی پوجا کے
قریب شہر ہی خطرہ ہے گھات کا شاید
سبھی کہیں نہ کہیں ٹوٹنے لگے چپ چاپ
یہی ہے راستہ سب کی نجات کا شاید
یہ گم سا درد تعلق کی جان لے لے گا
کہ مانتے ہیں بُرا بات بات کا شاید
یہ تجھ کو دیکھنے میں کیا صدائیں جاگتی ہیں
ہے تجھ سے ربط کسی واردات کا شاید
نہ جانے کیا ابھی اک دوسرے سے چاہتے ہیں
ہے انتظار ابھی ممکنات کا شاید
بنا ہے تیرا تعلق جو عمر بھر کی جھجک
تجھے پتہ ہے مری مشکلات کا شاید
ہر ایک شخص ہے تردید آپ ہی اپنی
یہیں چلے گا پتہ اپنی ذات کا شاید
عجیب ٹوٹتے اندر کا ہے خموش سفر
یقیں کسی کو نہیں اپنی بات کا شاید
تعلقات میں اب ہیں عجیب امکاں ہوں
تعلقات کی ہر واردات کا شاید

بس ایک رحم طلب رنج سب کی واپسی ہے
سفر ہی تھا یہ عدم واقعات کا شاید
عجب نہیں ہیں حدیں ساری توڑ کر رکھ دوں
یہ لہجہ آئنہ ہے معجزات کا شاید
یہاں بھی دھوپ کے شاکی ہیں خواب ڈھول اٹے
یہاں بھی قافلہ ٹھہرا ہے رات کا شاید
میں اپنی ساری حدیں لے کے تیرے سامنے ہوں
تری نگاہ میں امکاں تھا بات کا شاید
اب آسمان سے گزریں گے دیوتاؤں کے رتھ
وہ بج رہا ہے گجر پچھلی رات کا شاید

ق

یہ ایک فاصلہ اب ساتھ ساتھ چلتا ہے
یہ ایک ربط، گئے سانحات کا شاید
یہ تیرا دھیان، کنارے سے لہر ٹکرائے
یہ تجھ سے کاٹتا سا درد، ذات کا شاید
یہ ایک ٹیس سی، ہر بات سب سے کہنے کی
یہ اک خیال، کسی اپنی بات کا شاید
یہ ایک اُچٹا ہوا خواب اور سناٹے
یہی ہے خاکہ مرے سانحات کا شاید

یہ ایک لمحہ کہاں تک کسے سمیٹے گا
یہ انتشار! مکمّل حیات کا شاید
یہ ایک دکھ. کہ مجھے سب میں بانٹ کر رکھ دے
یہ ایک دکھ ہے مری اپنی ذات کا شاید
یہ حرف حرف کفن گم شدہ معانی کا
یہ تشنہ تشنہ سخن، ذات ذات کا شاید
اٹھا کے تلخ یہ باتوں کا بوجھ گھر کو چل
کہ عکس سامنے آیا ہے ذات کا شاید

پیچھے ہٹنے میں تھا موجود سہارا اپنا
ہم ہی ہم تھے قدم اٹھا جو دوبارا اپنا
جانے اس پار گزر کب ہو دوبارا اپنا
غیر آباد سا لگتا ہے کنارا اپنا
اپنی آواز سے کرتے رہے خود کو زخمی
بھیڑ میں نام کسی نے نہ پکارا اپنا
ہر قدم پر یہ گماں کیوں ہے کہ جس طرح ابھی
سامنے سے کوئی گزرا ہے ہمارا اپنا
آئے آہستہ روی، لہجے کا دھیما پن آئے
کہیں باہر ہے نہ گھر میں ہے گزارا اپنا
کب سے باہر جو کھڑا ہے اسے اندر نہ بلاؤ
سارے باہر میں وہی اک ہے سہارا اپنا
کون باہر ہمیں کرتا ہے کہیں سے آخر
ہم کہ باہر سے بھی کر لیں گے نظارا اپنا

ایک ہی ساتھ سبھی بول کے کیسے چپ ہیں
جیسے ہر شخص نے اک بوجھ اتارا اپنا

منہ چھپائے ہوئے پھرتے ہیں نہ جانے کس سے
کوئی چہرہ نہ تمھارا، نہ ہمارا اپنا

اپنے ہی نام سے یہ کون ہمیں جانتا ہے
دیکھ کے کس نے ہمیں نام پکارا اپنا

گھر سے وحشت کا سفر اشک بھری واپسی تھا
کہہ دیا کس نے کہ وہ گھر ہے تمھارا اپنا

چھوڑنے یوں تو ہمیں کوئی نہ آیا تھا مگر
منتظر جیسے ابھی تک ہے کنارا اپنا

اک عجب حیرتِ آواز کی بنیاد پڑی
یوں کبھی نام لیا ہم نے تمھارا، اپنا

تم جو کہتے ہو کہ ہم گھر میں ہیں، ہم گھر میں نہیں
تلخ کیا خود بھی سمجھتے ہو اشارا اپنا

یہاں ملے گا کوئی تو کہ جل رہے ہیں الاؤ
نہیں ہے کوئی تو ڈھونڈو کہ جل رہے ہیں الاؤ
جنھوں نے ہم سے کہا تھا یہاں پہنچنے کو
گئے وہ لوگ کدھر کو کہ جل رہے ہیں الاؤ
یہی مراد سفر کی، یہی سفر کا جواز
نہ جانے کون وہاں ہو کہ جل رہے ہیں الاؤ
اندھیروں میں کئی پرچھائیاں سی پیکیں گی
پرکھ ہر ایک کی کر لو کہ جل رہے ہیں الاؤ
بسا لو یاد میں یہ سوئی دھوپ جاگتی چھاؤں
انھیں ابھی سے ترس لو کہ جل رہے ہیں الاؤ
ہوا کا رخ بھی یہ جنگل نہ شام تک دے گا
دھوئیں کی سیدھ میں چل دو کہ جل رہے ہیں الاؤ
یہاں بھی کوئی کسی سے جدا ہوا ہو گا
یہاں بھی ناؤ نہ باندھو کہ جل رہے ہیں الاؤ

یہاں کبھی کوئی آیا گیا نہیں اب تک
بس ایک معجزہ جانو کہ جل رہے ہیں الاؤ

کوئی جو ساتھ نہیں دے رہا تو بہرِ سفر
ذرا سی آگ ہی دے دو کہ جل رہے ہیں الاؤ

یہ دن ڈھلے کی سی کیفیتوں کی صدیوں کا
نہ دن ہی ڈوب چلا ہو کہ جل رہے ہیں الاؤ

جنھیں یقیں ہے وہی اس طرف کو آئیں گے
وہی بتائیں گے سب کو کہ جل رہے ہیں الاؤ

کہیں نہ کھیلتے ہوں جوگی آتماؤں کا کھیل
نہ اتنے زور سے چیخو کہ جل رہے ہیں الاؤ

یہ حیرتوں کا سفر ہے اسی تقدّس سے
یہاں پڑاؤ نہ ڈالو کہ جل رہے ہیں الاؤ

یہ آگ اپنی جلن کی مراد پائے تو
کسی سے کوئی ملے تو کہ جل رہے ہیں الاؤ

اٹھا کے راکھ لگا لو نہ تلخ ماننے سے
کسی کے پاؤں پڑے تو کہ جل رہے ہیں الاؤ

مجھے بتا تو سہی تیرا فیصلہ کیا ہے
میں خود کو روک رہا ہوں معاملہ کیا ہے

یہ کس نے میری صدا میں مجھے جواب دیا
مری صدا کا پھر اب اگلا مرحلہ کیا ہے

مجھے ہے یاد جہاں تک، یہ دھیان پڑتا ہے
میں انتظار میں تھا تیرا فیصلہ کیا ہے

بنا دیا تو ہے مشکل سمیٹنا خود کو
سوال یہ ہے مگر میرا مسئلہ کیا ہے

ٹھہر رہے ہیں جو لمحے بدل کے صدیوں میں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ مرحلہ کیا ہے

نہ پہلے ساتھ مرے تھا کوئی نہ اب ہے، مگر
جو میرے حق میں ہوا ہے وہ فیصلہ کیا ہے

یہ کون ہے مرے اندر جو مجھ پہ ہنستا ہے
جو توڑتا نہیں مجھ کو، یہ زلزلہ کیا ہے

اسی میں تلخ کوئی ڈھونڈ لو جواز وجود
خبر کسی کو نہیں ہے کہ مسئلہ کیا ہے

حرف و صدا کے ساتھ مکمّل ہوا ہوں میں
اب چپ کی ضد کہو مجھے، پاگل ہوا ہوں میں
تجھ کو بلا بلا کے، تجھے ڈھونڈتے ہوئے
خود اپنی ہی صداؤں کا جنگل ہوا ہوں میں
اُترا تھا لامکاں سے کہیں دھوپ کی طرح
لمسِ زمیں سے مثلِ زمیں شل ہوا ہوں میں
جب تک دکھائی دوں تو ادھورا کہو مجھے
گم ہوں تو جان لو کہ مکمّل ہوا ہوں میں
یا گردِ گفتگو کا کفن مجھ پہ پڑ گیا
یا خود ہی اپنی آنکھ سے اوجھل ہوا ہوں میں
کیوں خود سے بول بول کے آخر کو رو پڑا
کس گفتگو کا ربطِ مسلسل ہوا ہوں میں

یہ میری ذات ہے کہ کوئی گونجتا کھنڈر
اپنی صدا پہ آپ ہی پاگل ہوا ہوں میں

برہم صداؤں کا ہے یہاں رن پڑا ہوا
اپنے ہی آپ میں کوئی مقتل ہوا ہوں میں

صحرائے ذات پر کبھی برسوں گا ٹوٹ کر
کب سے گھرا ہوا کوئی بادل ہوا ہوں میں

جو لوگ تلخ مجھ سے ملے خود الجھ گئے
اک مسئلہ ہوں اب بھی، کہاں حل ہوا ہوں میں

یہ روشنی کی زمیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
کہیں اندھیرا نہیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
بس اک جلی ہوئی وسعت ہے اور صدا کی راکھ
کوئی مکاں نہ مکیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
اندھیروں میں کہیں روحوں کا ناچ جاری ہے
ہر ایک شخص وہیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
وہ اک جگہ کہ اندھیروں میں پاؤں جلتے ہیں
یہاں سے دور نہیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
بچا کھچا خس و خاشاک یہ جو دیکھتے ہو
ہمارا گھر بھی یہیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
اُجالے کیا کہ اندھیرے بھی تم کو دیں گے شراپ
یہاں کوئی بھی نہیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
کوئی جلا ہوا چہرہ کوئی بجھی ہوئی روح
کوئی کہیں نہ کہیں ہے یہاں دیے نہ جلاؤ

یہ جس کسی کے لیے راستوں کی پوجا ہے
وہ گم تو گھر میں کہیں ہے یہاں دیے نہ جلاؤ
تم اپنے نقشِ قدم دیکھ کر نہ خوش ہو گے
کچھ ایسی اب یہ زمیں ہے یہاں دیے نہ جلاؤ
یہاں سے اور گزر لیں تو خود ہی لو ہوں گے
چمک جبیں بہ جبیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
جسے نہ دن کے اُجالوں میں تم نے پہچانا
وہ اس کھنڈر کا مکیں ہے یہاں دیے نہ جلاؤ
اٹھاؤ اپنے دیے، چاندنی نہ گدلاؤ
یہ نور کتنا حسیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
گئے ہوؤں کے نگر میں نہیں ہے رسمِ دعا
یہاں دلوں میں یقیں ہے، یہاں دیے نہ جلاؤ
یہ اتنی روشنیاں کس کے کام آئیں گی
کہ تلخ گوشہ نشیں ہے یہاں دیے نہ جلاؤ

سب راہیں روشن ہیں جن پر تیرے پاؤں پڑے ہیں
ہم آنکھوں ہی آنکھوں اکثر تیرے پاؤں پڑے ہیں
اپنی تیری حدوں تک تجھ کو ہم ڈھونڈ آئے اور
کونے کونے سے بولے گھر تیرے پاؤں پڑے ہیں
بس تیری آہٹ کا سفر ہوں رہ رہ کر دھیان آئے
جیسے میرے عین برابر تیرے پاؤں پڑے ہیں
میں ہی یہاں جانوں تجھ کو میرے ہی چاروں اور
اڑتے پھریں آواز کے پتھر تیرے پاؤں پڑے ہیں
اے شب کچھ آہنگِ مسلسل اپنے سناٹوں سے
دیکھ ہم اپنے شور کے پیکر تیرے پاؤں پڑے ہیں
یا لہجے کے روپ میں ڈھل کر میں ہی خود میں گونجوں
یا آوازوں کی سرحد پر تیرے پاؤں پڑے ہیں
اندر ٹھیک صدا گونجے، باہر آئے تو غلط ہو
تلخ سفر کی کس منزل پر تیرے پاؤں پڑے ہیں

مزاج و عمر کے یہ بڑھتے فاصلے کیا ہیں
یہ ذات پھیلتی جاتی ہے، سلسلے کیا ہیں
میں تجھ سے مل کے جو کم پاؤں اور کبھی خود کو
مجھے پتہ تو ذرا ہو ترے گلے کیا ہیں
قدم قدم پہ جو ٹکرا رہے ہیں آپس میں
تو مجھ میں اور کسی میں یہ فاصلے کیا ہیں
جو دھیان بھی تجھے رہ جائے کون تو، ہم کون
ابھی تو کیا ہے، ابھی تجھ سے ہم ملے کیا ہیں
پڑاؤ روشنی کا آخری کبھی سونا ہے
کوئی خبر نہیں آگے کے سلسلے کیا ہیں
ابھی تو دیکھنا کیا کیا صدائیں آتی ہیں
ابھی مسافروں کے بیچ فاصلے کیا ہیں
بجا کہ مجھ پہ ہے الزام سرد مہری کا
یہ میرے ساتھ مگر تلخ بے دلے کیا ہیں

نہ لہجے کی یہ ترستی کمی بنا مجھ کو
کبھی تو روک صدا دے کے، خود بلا مجھ کو
بلا لیا ہے تجھے پھر کہ یوں لگا مجھ کو
کہ جیسے تو نے کبھی ڈھونڈا ہے جا بجا مجھ کو
بنا دے اور کبھی کچھ دور کی صدا مجھ کو
یہ جتنے فاصلے ممکن ہیں، سب دکھا مجھ کو
جو تیرا جی کبھی چاہے تو یہ بتا مجھ کو
کہ میں جو بجھ سا گیا، ایسا کیا کہا مجھ کو
ہر ایک چہرے کو پہچاننے کی کوشش نے
ہر ایک چہرے کی الجھن بنا دیا مجھ کو

اُجاڑ سینکڑوں صبحوں کا ہوں میں لے سورج
ترا بھلا ہو کہ گھر میں کبھی بسا مجھ کو

تھکا تھکا سا تسلسل بنا کے دریا کا
یہ پھیلتا ہوا صحرا نہ اب بنا مجھ کو

میں سلسلہ ہوں صداؤں کے حرف بننے کا
تو سوچ کر ہی دوبارہ صدا بنا مجھ کو

یہ کیسے درد ہیں جو رہ گئے ہیں بٹنے سے
یہ کیسی گونج ہے "۔ کچھ بھی نہیں ملا مجھ کو"

میں دیکھ کر تجھے اک سمت ہو سا جاتا ہوں
یہ ملتے ملتے پرے کیسے کر دیا مجھ کو

تو میری بات ہے تو گونج جا مرے اندر
میں تیری چپ ہوں تو پھر توڑ کر دکھا مجھ کو

میں سن رہا ہوں ہر اک چوٹ میں صدا اپنی
رکے نہ ہاتھ ترا، توڑتا ہی جا مجھ کو

عجب تھکن ہوں کسی سے نہ کچھ بھی کہنے کی
عجب طرح یہ پڑا خود سے واسطہ مجھ کو

میں اپنے دھیان سے خود ہی اُتر گیا ہر بار
سبھی غلط ہیں، کسی نے نہیں سنا مجھ کو

یہ راستہ کبھی اتنا تو گرد گرد نہ تھا
یہ کیا ہوا ہے تجھے اور کیا ہوا مجھ کو

خلا میں راستے گرتے ہوں آبشار کی مثل
وہ دھوپ ہو نظر آئے نہ راستہ مجھ کو

یہ لوگ کیا ہیں، کسی کا کوئی وجود بھی ہے
یہ آر پار نظر آرہا ہے کیا مجھ کو

مرا خیال ہے گھر کے بہت قریب ہوں میں
ہر ایک لمحہ نہ یوں ورنہ دیکھتا مجھ کو

یہ رشتہ جو مرے دل میں ہے اب بھی تو یوں ہے
کہ جو ہوا ہے وہ اچھا نہیں لگا مجھ کو

یہ اب جو دیکھتا ہوں تجھ کو اپنے آپ میں خوش
تو جیسے دکھ میں بھی کچھ سہل ہو گیا مجھ کو

میں کیا وہ خوف ہوں جو سب کے دل میں بیٹھا ہے
نہیں تو بُت سے بنے دیکھتے ہو کیا مجھ کو

میں تجھ کو جاتے ہوئے دیکھنے کو بیٹھا ہوں
نہ رک تو جاتے ہوئے، کچھ نہیں ہوا مجھ کو

بسے ہوئے ہیں مجھی میں سماعتوں کے نگر
کبھی بلائے تو یہ میرا دوسرا مجھ کو

میں ایک شام ترے ساتھ رہ کے لٹ سا گیا
کہ زندگی میں یہ لہجہ نہیں ملا مجھ کو

جو ہو سکے تو کبھی ملنے آ کھلا کے مجھے
عجیب رنج سا ہے بات بات کا مجھ کو

یہ موج موج سی آوازِ کشتیوں کی سی چپ
قدم بنا ہوں اندھیروں کا ، اب بڑھا مجھ کو
میں چپ کی کھائی کا ہوتا اک اور پتھر آج
مری صدا ہی نے کس کر جکڑ لیا مجھ کو
پھر آج گھر مجھے لے آئی جوں کا توں یہ بات
کہ جیسے کوئی کھڑا دیکھتا رہا مجھ کو
ادھر کنارے پہ کبھی تلخ میں ہی تھا کل شام
بس اپنے خوف نے ملنے نہیں دیا مجھ کو

مجھ کو یہ کیا ہو جاتا ہے گھر کا تصوّر آتے ہی
جیسے گھر سونا سونا لگتا ہے کسی کے جاتے ہی
اپنے جو قصّے اوروں سے سن سن کر خوش ہوتے تھے
ہم تھے اپنی نظر میں جھوٹے خود اُن کو دہراتے ہی
وہ جو بہت بھرپور تھے خود میں وہ کیوں ساتھ میں چیخ اٹھے
ہم تو خود سے خوفزدہ تھے ہم تو شور مچاتے ہی
ساتھ ترا حاصل نہ رہا کب ہم کو یاد نہیں پڑتا
یعنی رشتہ کوئی باقی ہے ملنے آ اس ناتے ہی
دھیان کسے تھا تیرے جی میں آئی ہے درد بٹانے کی
ورنہ ساتھ ترے کہنے پر ہم کچھ دور تو جاتے ہی
آج جو تجھ سے بات ہوئی تو جیسے ہم وہ ہیں ہی نہیں
اتنا عرصہ بیت گیا کیا تجھ تک آتے آتے ہی
تو نے کہا بھی ہو جو کبھی کچھ تجھ کو کیا معلوم کہ میں
کتنا خالی ہو جاتا ہوں تجھ کو دھیان میں لاتے ہی

شاید کوئی ایک ہی آیا شاید کوئی نہ آیا تھا
ہم نہ جو تم کو دیکھ سکے تھے تم کو نظر تو آتے ہی
عرصہ ہوا اس راہ پہ تنہا ہوں میں پھر بھی حال یہ ہے
جیسے آجاؤ گے نظر تم مجھ کو آنکھ اٹھاتے ہی
یہ جو کھڑے ہیں بت سے بنے ہم ایسا کس کو دیکھ لیا
ایسی کب اس سے ٹوٹی ہے ہم تو اس کو یلاتے ہی
باہر اندر تلخ اندھیرا کس کو ڈھونڈنے نکلے ہو
جوت جلا آتے چوکھٹ پر کچھ تو ڈھارس پاتے ہی

مرے ہی گھر میں صدا میری کھو گئی آخر
یہ ذات طے شدہ اک رشتہ ہو گئی آخر
کھلی جگہ کا نہ گھر میں کلیش ختم ہوا
اکیلی رات کھلی چھت پہ سو گئی آخر
صدا کے اندھے کنوئیں پر منڈیر چہروں کی
بغیر لفظ کی آواز ہو گئی آخر
چلو کہ یہ تو ہوا طے کہ سب ہیں بے چہرہ
وہ جھوٹ موٹ کی پہچان تو گئی آخر
صدا سبھی کی اگر چیخ ایک سی نکلی
تو وہ جو بھیڑ تھی کس سمت کو گئی آخر
بہت کہا کہ جو سمجھے ہو وہ نہیں ہوں میں
مگر وہی مری پہچان ہو گئی آخر
ہر ایک ربط الگ لہجہ تلخ مانگتا تھا
مری صدا مرے اندر ہی کھو گئی آخر

اپنے میں ہوں خود اپنے سے باہر کی آرزو
رکھے ہوئے ہے زندہ یہ دم بھر کی آرزو
گم جس صدا کے ساتھ ہوا، آخری نہ تھی
اب کیا خبر کہ تھی مجھے کس در کی آرزو
گھر کے کلیش سے کبھی رویا نہیں تھا میں
مجھ کو رلا گئی کسی بے گھر کی آرزو
پہچانتی نہیں ہے مجھی کو مری صدا
خود میں ہوا ہوں کون سے منظر کی آرزو
لہجے کا تُو فقیر کہاں آ کے لٹ گیا
لے آئی تلخ شہر میں کس گھر کی آرزو

بدن کی پہلی تھکن سے نڈھال کیسے ہیں
بدن وہی کے وہی بے مثال کیسے ہیں

ہر ایک بات ہماری اگر مکمل ہے
تو پھر یہ ذہن میں چبھتے سوال کیسے ہیں

قریب آئیں تو پھر حادثہ بھی دور نہیں
یہ سوچتے سے بدن بے خیال کیسے ہیں

گزر رہا ہوں ہر اک لحظہ اپنے سامنے سے
یہ اجنبی سے مرے خدّ و خال کیسے ہیں

ہمارے چہرے اگر شہر شہر ایک سے ہیں
سخن کے مرحلے اتنے محال کیسے ہیں

سماعتوں کے نگر میں یہ تلخ کیا بیتی
کہ اب وہ راستے جی کا وبال کیسے ہیں

سلگتے ذرّے نے ہوا پھر کہیں سے لائی ہے
کسی نے ریت کی دیوار پھر گرائی ہے
نظر میں سارا علاقہ ہے جانا پہچانا
جہاں بھی پاؤں دھروں وہ جگہ پرائی ہے
نہ جانے ڈھونڈ رہا ہوں کسے کہ ہر منزل
مرے نشان مرے سامنے ہی لائی ہے
یہاں ہوا بھی نہ سمتوں کا کچھ پتہ دے گی
کہ ہم نے ریت ہوا میں بہت اڑائی ہے
یہ سارے نقشِ قدم ہیں مرے ہی مت بھٹکو
تمہیں نظر بڑی مشکل سے ڈھونڈ پائی ہے
میں سب سے ہو کے الگ رو لیا کہیں چپ چاپ
تجھی کو دیکھنے کی یہ خوشی منائی ہے

کچھ ایسی چپ ہے کہ چھو کر ٹٹول لیں جس کو
ہر اک کے سامنے اپنی صدا کی کھائی ہے

سب ایک دوسرے کی ذات کا سفر کر لو
گھٹا عجیب سی چہروں پہ تلخ چھائی ہے

یہاں سے کبھی کہاں بھاگو گے اگلی صبح کے ڈر سے
وہاں ہو تم کہ سناٹوں کو پچھلی رات بھی ترسے
وہ آیا مرحلہ تنہائیاں اندر کی رو دیں گی
کسی لمحے کوئی آواز آئے گی برابر سے
خود اپنی جست سے ایک ایک کر کے سب ہوئے زخمی
گلہ یہ ہے کہ پھینکا ہے کسی نے ان کو اوپر سے
کوئی اب گھر کے اندھے فاصلوں میں سوچتا یہ ہے
کرن سورج سے کیوں اک لے نہ لی چلتے سمے گھر سے
اکیلا ہوں مگر ہر لحظہ یہ محسوس کرتا ہوں
کہ جیسے کوئی گزرا ہے ابھی میرے برابر سے ؟
سفر ہے ذات کی پہچان کا تو کیا یہ پوچھوں میں
کہ ہم کیوں چھوڑ رہے ہیں بستیاں باہر ہی باہر سے
یہ کس کے لمس سے اپنے لہو میں وہ نہا اٹھے
جنھیں ہموار کرنے تھے یہ رستے اپنی ٹھوکر سے

یہ کیا آواز ہے جو خود بلا کر دور دے مارے
تعجب ہے کہ یہ آواز آئے ایک اک گھر سے
نہ جانے کون کٹتے ساحلوں پر کہہ رہا تھا کل
کوئی موجِ بلا آئے، گزر جائے مرے سر سے

ذرا سننے تو دو یہ دور کی آواز کیسی ہے
صدا یہ آ رہی ہے تلخ باہر سے کہ اندر سے

بات کس سے کبھی کرتا کوئی
ایک پل کو تو ٹھہرتا کوئی
کیسے ٹوٹے ہوئے پھرتے ہیں اب
نہ بچھڑتے نہ بکھرتا کوئی
یہ بھی رستہ ہے، کہیں جاتا ہے
کاش ادھر سے بھی گزرتا کوئی
دوسرا بن کے نہ خود سے ملتا
میرے اندر سے نہ مرتا کوئی
منتظر سب ہیں کوئی بات کرے
بات لیکن نہیں کرتا کوئی
بستیاں بھاگ رہی تھیں خود ہی
کیا کسی گھاٹ اترتا کوئی
یہ نہ تھا، کوئی نہ ملتا، لیکن
ذہن میں نام ابھرتا کوئی

سفرِ ذات اگر یہ ہوتا
اپنی آہٹ سے نہ ڈرتا کوئی

سب کے سب ایک جگہ کے ہی ہی
راہ میں بات تو کرتا کوئی

ساتھ چل دیتے بنا کچھ بھی کہے
چھت سے نیچے تو اُترتا کوئی

تلخ چہروں کے بھنور میں وہ دیکھ
ڈوبتا اور ابھرتا کوئی

خود اپنے آپ سے میں کٹ رہا ہوں
عجب رشتے ہیں، جن میں بٹ رہا ہوں
میں اک مشکل ہوں اپنی، سہل کر دے
نہ بڑھتا ہوں نہ پیچھے ہٹ رہا ہوں
یقیں خود اپنے اوپر اٹھ چلا تھا
عجب باتوں کی گھبراہٹ رہا ہوں
پڑی ہے کس جگہ یہ شام مجھ پر
میں شورِ شہر تھا، اب گھٹ رہا ہوں
لپکتی موج بھی، ساحل بھی میں ہوں
میں خود کو چھو کے خود ہی کٹ رہا ہوں

میں آپ اپنے لیے اک اجڑا گھر تھا
میں خود اپنی ہی اکتاہٹ رہا ہوں
تری ہی نذر یہ آواز کر دی
کہ میں برسوں تری آہٹ رہا ہوں
نظر آجاؤں گا اندر سے کیا ہوں
میں اک جوالامکھی ہوں، پھٹ رہا ہوں

موجود ہیں پیام تو ایک اک نگاہ میں
ہم بولتے کسی سے نہیں کس کی چاہ میں
یہ عمر بانٹ آئی ہے مجھ کو کہاں کہاں
میں کیوں بکھر گیا ہوں خود اپنی نگاہ میں
احساسِ جُرم دل میں لیے ہنستے گھر میں ہوں
اب میں کیسے شریک کروں اِس گناہ میں
چاروں طرف مجھی کو بچانے کا شور ہے
آیا ہُوا ہوں جب سے خود اپنی پناہ میں
اندر سے پھر بھی ٹوٹتا جاتا ہوں، اور ابھی
سارے تعلقات ہیں میری نگاہ میں
کن آہٹوں کی سمت چلے جا رہا ہے تلخ
یہ ہُبت سے کیا کھڑے ہیں مگر تیری راہ میں

نہیں، سب خیریت ہے، میں ہی رہتا ہوں یہاں اب بھی
تو کیا تم کو ہے اس گھر کے اُجڑنے کا گماں اب بھی
کہیں آہ و فغاں ہو، اس طرف ہی ہر نظر اُٹھے
بسیرا ہے کن آوازوں کا یہ سونا مکاں اب بھی
سنائی دیں کھلے باہر میں میرے گھر کی آوازیں
یہی گھر ہے مگر میرے لیے جائے اماں اب بھی
سماں جو پہلے آتی آہٹوں کا تھا وہ اب بھی ہے
محبت ہے وہی یادوں بھری تنہائیاں اب بھی
وہی ہوں میں، رہا جو کارواں در کارواں تنہا
وہی ہوں، ڈھونڈتے ہو جس کا تم نام و نشاں اب بھی
تمہارے ساتھ ہوں، تم میں سے کوئی اک نہیں ہوں میں
بڑھا لو فاصلے یہ میرے اپنے درمیاں اب بھی
یہ طرزِ فکر جیسے پرتوں پر شام پڑ جائے
تو پھر کیوں تلخ لہجے میں ہے شہروں کا دھواں اب بھی

دو قدم چل کے پھر ٹھہر جانا
ہاں نہیں چاہتا میں گھر جانا
میں کہاں بانٹ دوں یہ دکھ اپنے
ایک آواز میں بکھر جانا
نہ مٹے درد اس تعلّق کے
تیرا یونہی یہ بات کر جانا
اپنے جی میں کبھی نہیں آیا
تجھ سے بولے بنا گزر جانا
یاد کس کو ہے کوئی بات یہاں
یونہی رہ رہ کے خود سے ڈر جانا

اے مرے منکرِ تعلق ! سُن
میں نے کب تجھ کو معتبر جانا
گھر پہ ملتا نہیں کوئی بھی تلخ
کیا جگہ ہے جسے نگر جانا

نرم و نازک لہجہ اگرچہ سب کے سخن کی جان ہوا
اپنے ہاں جو اُکھڑا پن ہے ظلم بھی تو ہر آن ہوا
پہروں سوچ میں ڈوبے رہنا آنکھ اٹھانا ہنس دینا
دل کو کچھ احساسِ زیاں ہے جو اتنا سنسان ہوا
کہنے کی گنجائش کب تھی وہ کہتے ہم سنتے تھے
جو لفظ اُن کے منہ سے نکلا اِس جی کا ارمان ہوا
یوں تو اس دل میں ہر لحظہ یاد بسی رہتی ہے تری
عالم یہ ہے جونہی تیرا ذکر سُنا ویران ہوا
کس شدت سے تیری یاد میں روئے اور ہنسے ہیں ہم
جیسے تجھ سے پیماں ٹوٹا یا تجھ سے پیمان ہوا
دل کہتا ہے تجھ کو دیکھا روتی آنکھ یہ کہتی ہے
تب کیا ایسی آسانی تھی اور اب کیا آسان ہوا
اس نے اپنا جان کے ہم کو بات ذراسی کہہ دی تھی
دل اپنا ٹھہرا وہ پاگل رو رو کر ہلکان ہوا

کوئی کسی سے مل کے خبر پاتا ہے اپنی، ورنہ یہاں
جس نے جس کو جتنا جانا اتنا ہی انجان ہوا

جس کو تیری لگن ہو اس کو کیا مشکل پہچان تری
لیکن سب پر تیرا گماں ہو میں اس پر حیران ہوا

اپنے دل کے ویرانے میں سائیں سائیں رہتی ہے
دیکھو تو کیا شورِ مسلسل سناٹوں کی جان ہوا

شعر کہاں کے مر مر کے ہم نے کچھ جانا اور کہا
جب کچھ کہنا سیکھ گئے تب چپ رہنا آسان ہوا

تلخ بلندی جتنی بھی ہو نظریں آ ہی پہنچتی ہیں
اپنے تخیّل کا دنیا پر یہ تو ضرور احسان ہوا

کرشمہ سازِ صورت ہو گیا ہوں
خرابے کی ضرورت ہو گیا ہوں
بنوں گا اب سجاوٹ اپنے گھر کی
کہ پتھّر کی سی مورت ہو گیا ہوں
نہ چھوڑا جائے بھی مجھ کو، کہ سب کی
کوئی ظالم ضرورت ہو گیا ہوں
محلّہ جمع کیوں ہے؟ کیا میں خود ہیں
نئے گھر کا مہورت ہو گیا ہوں
لیے پھرتا تھا کیا میں اپنا چہرہ
غلط صورت بہ صورت ہو گیا ہوں
نہ اب آئینہ میرے لیے بھی
کہ میں گردِ کدورت ہو گیا ہوں
میں آ کر تلخ آنکھوں کے نگر میں
کوئی نادیدہ صورت ہو گیا ہوں

بہانے ڈھونڈتا ہوں میں

بہانے ڈھونڈتا ہوں میں
کہ دفتر سے ذرا جلدی ہی اُٹھ جاؤں
(مجھے کیا دوستوں سے جا کے ملنا ہے؟)

نہیں!
اک دوسرے سے ہم سبھی تنگ آئے بیٹھے ہیں
(مجھے کیا گھر پہنچنا ہے؟)
نہیں، ہرگز نہیں،
اُلٹا
بہانے ڈھونڈتا ہوں میں
کہ جتنا ہو سکے اتنا ہی میں گھر دیر سے پہنچوں
(مجھے حاصل نہیں کیا بیوی بچوّں کی محبّت؟)

ہے
مگر، پھر بھی نہ جانے کیوں

بہانے ڈھونڈتا ہوں میں
انھیں کچھ عرصہ کو میں بھیج دوں باہر
کہاں لیکن ؟
نہیں معلوم کچھ مجھ کو
تو پھر کیا میری شاموں میں
تعلق کی ہنسی اور چاپ شامل ہے
نہیں تو،
پھر مجھے کیا کھائے جاتا ہے
کہ میں بندھ کر کہیں بھی رہ نہیں سکتا
بہانے ڈھونڈتا ہوں
توڑنے کو کون سا بندھن !

دُکھ سے خالی رونا

میں ہوں یا تم ہو
یہ سچ ہے
اپنے اندر ایک قبیلہ ہر کوئی ہے
جس کو شاید
رات کو صحرا کے رونے کا راز پتہ ہے
ایسا رونا
دور کہیں جیسے کچھ بچّے
(صدیوں پہلے ہم نے جن کو قتل کیا ہو
اور وہ اپنے قتل سے پہلے)
روئے چلے جاتے ہوں
یا پھر
یہ ان روحوں کا رونا ہو
جو انسانی روپ میں ظاہر ہو نہ سکی ہوں

ریت کے ٹیلوں کو چھو چھو کر
مثلِ ہوا
روئے جاتی ہوں
اور.....!
قبیلے کے باشندے
ہم!
اپنے خیموں میں لیٹے
اپنے آپ سے باتیں کرتے
رات کو صحرا کی تنہائی کا رونا سنتے رہتے ہیں
سارنگی کے سُر کی طرح سسکتا صحرا
ہم سب میں ہے
لیکن پھر بھی
میرا رونا
تیرا رونا
دکھ سے خالی کیوں ہے؟

جو خود میں تشکیل ہو رہا ہے

کبھی کبھی مجھ کو جان پڑتا ہے
جیسے مجھ میں
گھرا ہوا پرتوں سے
خالی سا اک محل ہو

جہاں کبھی
بدھ کے علم کا اک خزانہ تھا
جس جگہ
شلوک اور منتر ماحول میں
— نہیں

خود مرے ہی اندر
مری صدائیں
ہمالیائی ہواؤں کی طرح گونجتے تھے
عجیب عظمت کے ساتھ میں یوں الگ تھلگ تھا

کہ جس طرح میری موت کی بات
قرنہا قرن سے ہے وہ راز
میں ہی بس جس کو جانتا ہوں
میں اپنے اندر وہ آتما ہوں
جسے کبھی
اک عظیم پیشین گوئی کا سیلِ بے سماعت
محل سمیت آسمان میں لے اڑا تھا

یا پھر
میں اک تناؤ ہوں
آسمانوں کی سمت
بچپن کے حیرت انگیز خواب کے بے بنے محل سا
جہاں مرے چاروں سمت راہیں
(سفید ریت اور برف کی)
اپنی اپنی حد سے
مری طرف بڑھ رہی ہیں
جیسے
میں دیوتاؤں کا ہوں وہ مسکن
جو سب کو اپنی طرف بلاتا ہے اور
سب کی پہنچ سے کچھ اس طرح پرے ہے
کہ جیسے میں دیکھنے کی حد ہوں

میں ایک پربت ہوں
وادیاں جس نے بانٹ دی ہیں
میں اک گپھا ہوں
جو وادیوں کو ملا رہی ہے
میں جیسے صدیوں کی یاترا کی وہ گہری آوازہوں جواب تک
گپھا کے اندر سے آ رہی ہے
میں ایک بھکشو ہوں
جو کبھی کا
اسی گپھا میں سما چکا ہے
جو خود میں تشکیل ہو رہا تھا
جو خود میں تشکیل ہو رہا ہے

ہم اپنی آواز چاہتے ہیں

ذرا ذرا فاصلے پہ ہم سب خموش بیٹھے
خراشِ آوازِ اجنبی کے ہر ایک امکاں سے
خود کو محفوظ کر رہے ہیں
(ہماری بستی میں آج کی رات کاٹنے کو
رکا ہے اک اجنبی مسافر)
ہم اس کو محظوظ کر رہے ہیں
ہمارے ہاتھ ایک سے عمل میں
اٹھا کے ساحل سے سیپ کنکر
ٹھہر ٹھہر کر
پرے سمندر
میں پھینکتے جا رہے ہیں جیسے
یہی ہو طرزِ سخن یہاں کا
یہی ہو جیسے الم بیاں کا

یہ جانتے ہیں — (جبھی تو چپ ہیں)
کہ ان سبھی کنکروں کو اک بار
پھر سمندر میں پھینکنے کو
ہمیں ہے درکار ایک پورا جنم،
جسے ہم
نہ کر سکیں گے کبھی کبھی حاصل
وہ اجنبی میہماں بھی تک تک کے ہم کو اب ہو چکا ہے شامل
اسی عمل میں
کہ جس عمل پہ
نہ ہم کو حیرت ہی ہو رہی ہے
نہ غصہ ہی آ رہا ہے (خود پہ نہ دوسرے پر)
نہ آ رہی ہے ہنسی ہی ہم کو
نہ اپنی آنکھوں میں اپنی اس بے بسی پہ
آنسو ہی آ رہے ہیں
نہ ہم کو وہ لفظ مل رہا ہے
جو اجنبی میہماں کو — ہم کو (یہ جو بھی آدھے ادھورے ہم ہیں)
یہی بتا دے
کہ غیر وابستگی، اداسی، اچاٹ سا جی
کسی جگہ خود کو سونپ دینے سے بے نیازی
یہ معجزہ ہے

کہ سانحہ ہے ؟

یہ جذبہ کیا ہے !

(ہمارے جذبات کے سمندر کو کیا ہوا ہے ؟)

(ہماری آواز کا لہو کون پی گیا ہے ؟)

یہ جذبہ کیوں ہے !

(یہ سرد مہری ہے یا جنوں ہے ؟)

(یہ باہر اندر خلا سا کیوں ہے ؟)

یہ کیا زمیں ہے، یہ کیا سمندر ہے، کون ہم ہیں !

یہ کن صداؤں کا ہم الم ہیں !

کہ اجنبی ہم میں ہو کے شامل بھی اجنبی ہے

یہ ہم میں عظمت کی کیا کمی ہے !

کبھی تو اے آسمان جیسی عظیم آواز کے بزرگو

یہ ہم سے پوچھو

کہ ہم کو آخر قبول موت اپنی کون سی ہے

نہ جانے کیسا تمہارا جی ہے

ہمارا مرنا ہی سہل کر دو

ہمارا رشتہ رہا ہے تم سے، یہی خبر دو

کہاں ہماری جڑیں ہیں یہ کھود کر دکھاؤ

کبھی کوئی اپنا حق جتاؤ

وہ پتھروں کے زمانے جیسا ہی ظلم ڈھاؤ

ہمارے ان بے نکان جسموں کو توڑ کر چور چور کر دو
ہمیں کوئی خوف ہی دلاؤ
ہمیں گپھاؤں میں بند کر دو
گپھاؤں پر اک چٹان دھر دو
ہمارے تم سامنے ہی آؤ
ہمارا کوئی تو کام کر دو
ہماری آنکھوں میں ریت بھر دو
کہ رو سکیں ہم
ہمارے منہ اپنے وقت جیسے قدیم ہاتھوں سے کھول کر ان
میں سیب ٹھونسو
کہ کچھ کہیں ہم
اٹھا کے ہم سب کو آکٹوپس کے سامنے ڈال دو کہ خود کو
ذرا سا پہچان بھی تو لیں ہم
تُندھی صداؤں میں ہم کو گھر لوٹنے کو کہہ دو
جو چونک اٹھیں ہم
جہاں سے ہم آئے ہیں ہمارا پتہ وہ پوچھو
جو بول دیں ہم
تمہاری شفاف عظمتوں سے کچھ اس طرح ہم الگ رہے ہیں
کہ اب زمیں کو ہی پھر سمندر میں پھینکنا چاہنے لگے ہیں
یہ چاہتے ہیں
کہ ایسی آواز ہم سنیں جو

تمام تر ہو
ہمارے اپنے کیے دھرے کی
کہ ہو جواب تک کی عظمتوں سے بہت پرے کی
ہم اپنی آواز چاہتے ہیں
ہم اپنی آواز چاہتے ہیں
ہم اپنی آواز چاہتے ہیں

انجام

وہی چہرے نظر کے سامنے ہیں
جنھیں پہچاننا
مشکل نہیں ہے
یہ میرے سامنے برسوں رہے ہیں
مگر!
اب کس لیے!
یہ میرے سر میں
مسلسل درد سا رہنے لگا ہے
(انھیں ہر ایک پل تک تک کے شاید)
(مری آنکھیں ہی شاید بجھ رہی ہیں)
میں ان آنکھوں سے
اب کتنا دکھی ہوں

وہی چہرے

میں جن سے آشنا ہوں
مجھے آنکھوں پہ کتنا زور دے کر
انھیں پہچاننا پڑتا ہے
آخر!
یہ برقی روسی کیسے چھوڑتے ہیں
تھکن کی اور اکتاہٹ کی
آخر!
وہ باتیں ختم کیسے ہو گئی ہیں
وہ آوازیں!
کہاں ہیں آج؟
آخر!
وہ ان آنکھوں میں کیسے کھو گئی ہیں
کہ اندھے بھی
تو اک دوجے کو
آخر
بغیر آنکھوں ہی کے پہچانتے ہیں
تو کیا؟
آواز آنکھوں سے بڑی ہے؟
(یہ ہم پہ کیسی بپتا آپڑی ہے؟)

ہماری نسل !
کتنی زندہ دل تھی
ہماری نسل کا انجام
آخر !
ہوا ہے کس لیے اتنا بھیانک
کہ تک تک کر کسی کو اُوب جانا
نظر کے ساتھ خود بھی ڈوب جانا

بیگانہ و تنہا

کس تجسّس میں ہے اب فکرِ رسا سرگرداں
لامکانی نہیں بازیچۂ افکار و بیاں
رک گئے پاؤں کہ شاید یہ زمیں کی حد ہے
اور اسے ماننے میں عقل کو ردّ و کد ہے
آنکھ تکتی ہے یہی کچھ کہ کسی نقطے پر
نیلگوں وسعتِ عرش اور سیاہی شب کی
نیلگوں آب میں تحلیل ہوئی جاتی ہے
انہی دھندلائے ہوئے گھلتے ہوئے رنگوں میں
ساتھ افق کے کسی کشتی کی طرح ساگر پر
تیرتی جاتی ہے مہتاب کی پتلی سی لکیر
جس طرح نیند بھری چشمِ افق کھلنے کو ہو
ماہ تک آج ہے محدود ضیائے مہتاب
آج دھیمی ہے کچھ اس درجہ فضائے مہتاب
چاندنی رہ گئی ساگر پہ پھسل کر کچھ دور
آج طوفان اٹھانا نہ ہو جیسے منظور

رہ گیا بن کے جھلک اپنی ہر اک نظّارہ
حسن معدوم سا ہے اور نظر آوارہ
سایہ سایہ نظر آتی ہے چٹانوں کی قطار
یوں معلّق نظر آتے ہیں فضا میں اشجار
جیسے دھبّے سے ہوں ٹنگے ہوئے بے حد و شمار
فطرت آج اپنی ہی پرچھائیں نظر آتی ہے
جس طرح ذہن پہ کچھ دھند سی چھا جاتی ہے
کہیں پانی ہی میں گھل مل سا گیا ہے ساحل
نور اور تیرگی میں فرق ہوا ہے مشکل
نیلے آکاش کے نیچے ہے سمندر نیلا
چاند تاروں کا عجب رنگ پڑا ہے پیلا
کیا عجب روشنیِ صبحِ ازل ایسی ہو
کیسے لفظوں میں بیاں کیجیے اس عالم کو
جس طرح وسعتیں آپس میں سماتی جائیں
اور اگر کھلنے لگیں تو نظر آتی جائیں
اتنی رنگین نہیں آج کی تاروں بھری رات

▲

عالمِ خوف بھی ہے عالمِ حیرت ہی کے ساتھ
وہ خموشی ہے کہ باقی نہ رہے جرأتِ ذکر
محوِ پرواز نہیں کچھ بھی بجز طائرِ فکر
فکر آمیز فضا میں خنک و سرد ہوا
ایسے رگ رگ میں کیے جاتی ہے وحشت پیدا
رینگتے تاریک فضا میں جیسے
اژدہا پاؤں سے ناگاہ لپٹنے لگ جائے
کتنا بیگانہ و تنہا ہے یہ پورا عالم
آشنا ہو گئے ہیں کان اس آواز سے بھی
آ رہی ہے جو مسلسل کہیں گہرائی سے
جیسے پھوٹ آئی ہو سناٹے کی پہنائی سے
جس طرح بیچ سمندر کے زمیں پھٹتی ہو
جیسے آفاق کے محور سے زمیں ہٹتی ہو
جیسے پاتال نے منہ کھول دیا ہو اپنا
بے ستوں عرش کسی طرح لڑھک اٹھا ہو
جس طرح روحیں جہنم سے نکل بھاگی ہوں
وا ہوا ہو درِ فردوس گنہگاروں پر
زیرِ تکمیل ہو جس طرح جہانِ تخلیق
قطرے قطرے میں ہو جاری عملِ یکجائی
پہلی آواز نے توڑا ہو سکوتِ ازلی

▲

چشمِ حیرت نے جہاں تک بھی جدھر بھی دیکھا
محض پارے کی طرح کانپ رہا تھا ساگر
جیسے تخلیق کی قوت کا ابلتا ہو جلال
بیکراں کرب ہم آہنگ ہوا ہو جیسے
جیسے احساسِ دوئی کا نہ رہا ہو امکاں
جیسے کچھ دیر میں ہو جائے گا بس چین ہی چین
کہ اچانک کہیں گہرائی سے اک موج اٹھی
بیکراں سطح پہ کچھ دیر تماشہ سا کیا
اپنی یکتائی کا احساس جتایا کچھ دیر
اپنی تنہائی کو ساگر پہ نچایا کچھ دیر
پھر وہیں ڈوب گئی اور وہ جل تھل ساگر
جس طرح پہلے تھرکتا تھا تھرکتا ہی رہا
کوئی بیگانہ روی تھی نہ کوئی یکتائی
جیسے دم توڑ کے رہ جائے یہاں تنہائی

▲

روح کو کرب ہے آزار ہے دکھ سا دکھ ہے
کس طرح جستجوئے دل میں ہم آہنگی ہو
کس طرح جذبہ و آواز میں یک رنگی ہو
ابھی تو فکر سے ہے فکر کی آواز جدا
وجہِ آزار سے ہے کرب کا انداز جدا
دل کی منزل تو ہے کچھ اور تجسس کچھ اور

اور بکھرے ہوئے شیرازے کے اے وائے یہ طور
آنکھ کہتی ہے کہ نظروں پہ کوئی پہرہ ہے
عقل کہتی ہے کہ تو کور ہے بے بہرہ ہے
وجد میں آ کے کبھی تو جو سراپا ہو جائے
جانے پھر کیا تری منزل ہو تو خود کیا ہو جائے
جستجو! شدّتِ جذبات کا یکتا ہونا
وجد: اس قوّتِ یکجائی کا یکجا ہونا
نہ تو آوارۂ منزل نہ کہیں تیرا قیام
نہ تو خود حد ہے نہ تجھ سے ہے پرے کوئی مقام
تو نظر ہے تری یکجائی کا ہے راز یہی
راز جو ہے، تری یکتائی کا ہے راز یہی
تجھ کو اسرارِ نہاں سے بھی الجھنا ہو گا
راز پانے کے لیے بھی تجھے چھپنا ہو گا
لاکھ پردوں میں بھی پوشیدہ جو رہتا نہیں حسن
اپنی جانب کبھی تکنے کو بھی کہتا نہیں حسن
حُسن کی طرح ذرا آنکھ سنور کر دیکھے
حسن کو آنکھ جو دیکھے بھی تو ڈر کر دیکھے

▲

آنکھ ہی آئینہ حسن یہی عکسِ جمال
آنکھ ہے معجزہ گر حسن نہیں خواب و خیال
آنکھ کہتی ہے کہ نظروں میں ہے میری منزل
عقل کہتی ہے لطافت کا ہے پردہ حائل
عالمِ حسن کو درکار ہے فن کار نظر
جس کو تنہائی کا غم ہو تو بہ اندازِ دگر
یعنی فن کار کا فن حسن کا پیکر بھی ہو
اور وہ جستجوئے حسن کا خوگر بھی ہو
خود نہ فن کار اگر اپنا تماشا بن جائے
فن وہ اندازِ نظر ہے کہ سراپا بن جائے

▲

آنکھ حیراں کہ کہاں جائے کدھر آئی ہے
عقل خوش ہے حدِ آفاق نظر آئی ہے
ازلی درد سے یوں چشمِ تجسّس ہے دوچار
مبتلا یوں غم و ہیجاں میں ہے روحِ فن کار
ماورا ہوں میں حدِ کون و مکاں سے کہ نہیں
کیا میں آزاد ہوں اقدارِ زماں سے کہ نہیں

▲

لامکانی نگہ دل کو نظر آئی ہے
زندگی میں کوئی تنہائی سی تنہائی ہے
میں ہوں فن کار تو بیگانہ و تنہا کیوں ہوں
قطرۂ بحرِ ادب ہوں تو میں تشنہ کیوں ہوں
کیوں الگ سب سے مری فکر کو انداز ملا
عمرِ رفتہ مری آواز سے آواز ملا

مجھ میں ماحول میں یہ فرق کہاں پر آیا
کیوں مرا سوزِ نہاں میری زباں پہ آیا
نالے نے پائی ہے تاثیر کی خوبی کیسے
میری آواز غم و درد میں ڈوبی کیسے

▲

وہ گھڑی یاد ہے جب مجھ کو ہوا تھا احساس
میں بھی دل رکھتا ہوں کچھ میرے بھی جذبات کا پاس
یہیں اک فرد نے دنیا سے بغاوت کی تھی
ذہن و دل نے یہیں ماحول سے ٹکر لی تھی
اک طرف پورا زمانہ تھا ادھر میرے اصول
میں نہ تھا ان کو قبول اور نہ وہ مجھ کو قبول
اک طرف میں تھا ادھر وقت کی رائج قدریں
اسی نقطے پہ الگ ہو گئیں میری راہیں

▲

آج تک جو تری نظروں سے رہا تھا روپوش
دیکھ اس معجزۂ وقت کو اے دیدۂ ہوش
ہٹ گئی سامنے سے ماضیِ گم گشتہ کی دھول
سجدہ کر دیکھ کے افکار کی یہ شانِ نزول
فطرت آغوش ترے واسطے وا کرتی ہے
ابدیت تجھے آواز عطا کرتی ہے
ہے یہی لمحہ ہر اک زندگیِ شاعر کا
جب وہ سوچے ہر اک احساس سے اوپر اٹھ کر
وہ نظر کس لیے قدرت نے اسی کو بخشی
جس سے کھلتی ہے نگاہوں میں خود اپنی ہستی
اس کی آواز میں گونج اٹھتی ہیں صدیاں کیسے
نغمہ و نور کی بہہ جاتی ہیں ندیاں کیسے
اس کی تخلیق میں اور اس میں ہے کس حد تک فرق
اور وہ بحرِ تجسس میں ہے کس حد تک غرق
آئے دن فرطِ عقیدت میں ہزاروں ہی وہ لوگ
آنکھ اٹھاتے ہی جو تعظیم میں جھک جاتے ہیں
دیکھ کر اس کو سرِ راہ جو رک جاتے ہیں
کس قدر ہاتھ اسے کرتے ہیں ہر روز سلام
کتنی آنکھیں اسے پہچانتی ہیں بر سرِ عام
اس سے مل بیٹھنے کی کتنے دلوں میں ہے امنگ
اس کی نظروں میں یہ انسان ہیں یا پیکرِ سنگ
ان سے شاعر نے کبھی بات بھی کی ہے رک کر
ان پہ احسان ہی کرتا ہے ذرا سا جھک کر
اس کو تنہائی کا احساس دیا ہے کس نے؟
اس کو ماحول سے بیگانہ کیا ہے کس نے؟

▲

المدد زورِ بیاں اے دلِ شاعر کچھ خون
کون طبقہ تجھے کہتا ہے تمدن کا ستون

کن دلوں میں ہے ترے فن کے لیے جذبۂ جنوں
کن دماغوں میں نہیں ٹوٹ سکا تیرا فسوں
کیا عجب لوگ تری ذات کے دیوانے ہیں
کون اے شمعِ تخیّل ترے پروانے ہیں

▲

آ رہا ہوں میں ابھی لوٹ کے جس محفل سے
بات کرنے کا سلیقہ کوئی ان سے سیکھے
ان کے ہاں رمز و کنایہ ہے تکلّم کم ہے
ان کی شائستگیِ طبع کا یہ عالم ہے
کہ تکلّف پہ بھی ہو ربطِ نہاں کا احساس
کہ توجّہ پہ بھی ہو دوریِ جاں کا احساس
یوں لٹاتے ہیں تبسّم کہ زمانہ لٹ جائے
جی میں ہو کوئی بھی ارمان تو جی میں گھٹ جائے

▲

مرکزِ دیدۂ پُر عشوہ تھا ہر صاحبِ بزم
بات سننے کا بھی لطف اور سنانے کا بھی لطف
فلم سے فلسفے تک کس پہ نہیں بحث رہی
میں نے اک بحث کے دوران میں آنا جو کہا
"ہاں مہذب تو ہیں اقدارِ زمانہ کے امیں
لیکن آوارہ مزاجوں سے بڑھی ہے تہذیب"
تو اس انداز میں وہ غنچۂ [illegible] ہوئے وا

"اوہ کیا واقعی ہے آپ کا ایسا ہی خیال!"
اور یہ کہہ کے اس انداز میں سمٹے تھے وہ ہونٹ
کہ مری بات کا ان کو ہو یقیں مجھ کو نہ ہو

▲

ان کی محفل ہے نمائش گہہِ حسنِ اجسام
قدرتی عنصرِ ہستی کا نہیں دخل یہاں
ان کے اطوار پہ دریائے لطافت کا گماں
ان کی گفتار پہ شیشے کی نزاکت کا گماں
کہ کسی بات پہ جی کھول کے ہنس دینے سے
کس طرح پیار بھری رنج نما حیرانی
ان کے چہروں پہ ابھرتی ہے یہ کہنے کے لیے
ایک مدت ہوئی اس شخص کو ہم سے ملتے
لیکن آداب ابھی تک نہیں اس نے سیکھے

▲

کتنا حسّاس ہے اس طبقے کا احساسِ جمال
فن میں فنکار میں بھی فرق کیا ہے پیدا
جان دیدیں گے نظر آئے اگر حسن ان کو
خالقِ حسن نظر آئے یہ منظور نہیں
دیکھنا چاہیں گے اک جست میں شاہینِ خیال
کس طرح چیر کے رکھ دیتا ہے اوجِ آفاق
لیکن اس فاصلے سے جیسے کہ ان آنکھوں کو

حسنِ پرواز نظر آئے غمِ ذات نہیں

▲

ان کی ہر بات ہے نتھری ہوئی صاف اور ستھری
اپنی ہر سانس سے یوں اپنا پتہ ملتا ہے
جس طرح تازہ صراحی کے ہر اک قطرے سے
تازہ مٹی کی وہ بھینی سی سگندھ آتی ہے

▲

"وہاں خود آرائی کو ہے موتی پرونے کا خیال"
فن بھی ان کے لیے سامانِ خود آرائی ہے
عشقیہ شعر پہ آنکھوں کی چمک بڑھتی ہے
ظالم شعر پہ چہروں کی دمک بڑھتی ہے
کوئی نغمہ ہو اداسی کا تو یوں تکتے ہیں
تاج محلوں کے نئے نقشے ابھر سکتے ہیں
زندگی پر ہے غضب ان کی گرفتِ جابر
اور ہے فلسفۂ مرگ پسندِ خاطر

▲

ان کی محفل میں کمی کوئی نہیں کوئی نہیں
تا کہ دربار میں سونی نہ رہے مسندِ عقل
تا دمِ حال وہاں مجھ کو بٹھا رکھا ہے
اور ہو کوئی تو پھر مجھ میں بھی کیا رکھا ہے
کیا برائی ہے اگر میں نے بھی ان لوگوں کو
اپنی تفریح کا سامان بنا رکھا ہے
مشترک ہم میں نہ کچھ بات نہ کچھ قدر کوئی
ان کے اطوار پہ جی کھول کے میں ہنستا ہوں
ان کے لہجے کا ہر اک وقت اڑاتا ہوں مذاق
میری باتیں مری عادات نہیں ان کو پسند
بے نیازانہ مری ذات نہیں ان کو پسند
ان کے انداز الگ ہیں مرے انداز الگ
ان کی آواز جدا ہے مری آواز الگ

▲

دیکھ اے فکرِ رسا آج بڑے بول نہ بول
خاک ہے تیری گرہ میں کہ وہ ہیرا انمول
اپنی نظروں میں تو اس گنج گراں مایہ کو تول
زخم ناسور بنے کتنے ذرا دل تو ٹٹول
کھول زندانِ خیال اور اسی طرح سے کھول
آج پہلو نہ رہے کوئی نگاہوں سے نہاں
آج ہونا ہے مجھے اپنی نگاہوں پہ عیاں
کتنا اوروں پہ ہنسا، خود پہ میں رویا کتنا
اپنے احساس میں دکھ درد سمویا کتنا

▲

کیا جوانی مری کیا نازِ جوانی میرا
کتنا غم ناک تھا آغازِ جوانی میرا

اے کہ جس روز سے کالج میں قدم رکھا تھا
جیسے سینے پہ کوئی کوہِ الم رکھا تھا
جس جگہ میں بڑی امید لیے آیا تھا
اجنبی پہلے پہل خود کو وہیں پایا تھا
میں نے ہم عمر رفیقوں کو عجب سا پایا
لاکھ چاہا مگر ان کا سا نہ انداز آیا
مثلِ سیماب تھی تب عمرِ جواں کی لرزش
آہ وہ اس دلِ معصوم وجواں کی لغزش
زندگی بھول گئی حسنِ تبسم کی ادا
سی لیے ہونٹ کہ ابھرے نہ ہنسی زہر بھری
ورنہ اس دل میں تھی ہنسنے کی تمنا کیا کیا

▲

دیدۂ شوق میں بیگانگی آئی آخر
سرد مہری کی ہوا سر میں سمائی آخر
دل میں روشن تھی جو اک شمعِ رفاقت نہ رہی
رفتہ رفتہ کسی ہمدم کی ضرورت نہ رہی
گھٹ گیا سانس مرا دودِ خودی میں ایسے
سبزہ سڑتا ہے پہاڑوں کی فضا میں جیسے
بھاگ نکلا دلِ دیوانہ سوالی بن کر
میری آواز سے بیگانہ ہیں یہ لوگ تو کیوں؟
ان میں رہنا جو مرے بس کا نہیں روگ تو کیوں؟

اور تلخی مرے احساس میں گھلتی گئی یوں
کہ مرے منہ سے نکلنے لگی ہر بات، "یہ کیوں؟"
کیوں اندھیروں میں اجالے کا سماں باقی ہے؟
گل کرو شمعِ تخیل، یہ چبھن بھی کیوں ہو؟
راز پانے کا بھی تھا شوق جنوں تک لیکن
وحشتیں اور بڑھیں راز کے کھل جانے سے

▲

اپنی آوارہ مزاجی کو سراہا میں نے
اپنے ایک اک غلط انداز کو چاہا میں نے
اپنے ناکارہ تجسس پہ بہت فخر کیا
اپنے افکار کو کردار کا انداز دیا
اپنی آواز پہ جب یوں ہمہ تن گوش ہوا
مسکرائے لبِ فطرت کہ یہ اب رو دے گا
ہوش کی طرح یہ اندازِ جنوں کھو دے گا
ایک دن آبلۂ زعمِ خودی پھوٹ گیا
عمر اور وقت کی رفتار سے دم ٹوٹ گیا

▲

یاد آتی ہے وہ پُر کرب تھکاوٹ اب بھی
جیسے کالج نہ تھا اک دیس پرایا تھا کوئی
یہ فضا میرے لیے آج بھی بیگانہ رہی
ہے ادا اور روش اب بھی وہی اس بستی کی

سب سے پہلے انھیں اس بات کی ہوتی ہے خبر
سائرہ بانو کا رومانس کہ ریٹا کی طلاق
اور ہائے وہ ادا ہائے وہ اندازِ سخن
یعنی جس وقت یہ موضوعِ ادب پر آویں
" خیر جی فیض کی کیا بات مگر ہاں سنیے
کیا خیال آپ کا ہے فیض ہے اچھا کہ فراق"
ان کے نزدیک وہ آئینۂ فن ہے فنکار
" اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا"
ان کے اندازِ تمسخر کا نہیں کوئی جواب
ہاتھ لہرا کے ہوا میں یہ کریں گے آداب
جیسے کہتے ہوں جہاں بھی ہو وہیں اچھے ہو
موت آجائے جو ان کا کوئی جملہ کٹ جائے
قہقہہ سینے میں رک جائے تو سینہ پھٹ جائے
کہیں ہوتی ہو ملاقات تو ان کو حسرت
کوئی ان سے نہ کرے بات تو ان کو حیرت
امتحانوں میں اگر پاس نہ ہو جائیں یہ لوگ
جانے کس شوقِ فسوں ساز میں کھو جائیں یہ لوگ
کالجوں اور یونیورسٹی کے ایوانوں میں
زعفراں زار بنے رہتے ہیں قہوہ خانے
وہ الگ میز پہ جھرمٹ ہے حسیناؤں کا
جائزہ لیتی ہیں ماحول کا اچٹی نظریں

آنکھوں آنکھوں میں اشارات و کنایات کیے
اور پھر ہو گئیں یوں اپنی کسی بات میں مست
جیسے بے جان تھا ماحول تو از چشمِ کرم
پھونک دی روح انھوں نے کسی سرگوشی کی
شوخ و بیباک بظاہر یہ نظر آتی ہیں
بات کرنے میں کچھ آگاہ سی ہو جاتی ہیں
سہما سہما سادہ اندازِ تکلم ان کا
خود میں سمٹی ہی چلی جائیں گی کہتے کہتے
" ایلیٹ آپ نے تو خیر پڑھا ہوگا ضرور
ہم کو تو کچھ بھی پڑھایا نہیں پروفیسر نے"
(اس قدر فیصلہ کن بات پہ اب کیا کہیے)
پڑھ کے کچھ مغربی افسانہ نگار و شاعر
(خاص کر کورس میں ان کو جو پڑھایا جائے)
یہ بنا لیں گی ذہانت کی کسوٹی خود کو
دور کا ربط بھی ان کو نہ ہو جن لوگوں سے
ان کے بارے میں بھی تحقیق کریں گی یہ ضرور
" آپ تو ملتے ملاتے ہیں بھلا کیسا ہے؟
کچھ لیاقت بھی ہے یا یونہی بنا پھرتا ہے"
نقرئی قہقہے گونج اٹھیں گے اس بات پہ یوں
جس طرح شام کے سناٹے میں کچھ شاخوں سے
چہچہاتا ہوا اڑ جاتا ہے چڑیوں کا گروہ

▲

یہ شوخیوں سے بھری مسکراہٹوں کی زمیں
شباب و حسن و تمنا کی وادیٔ رنگیں
جوانیوں کی مہکتی، ہری بھری دنیا
یہ شاعروں کے تصور کی اجنبی دنیا
یہ علم و فن کے اداروں، ادب کی پشت پناہ
اسی جگہ ہوئی آوارہ جستجوئے نگاہ
یہیں سے ٹوٹ کے ناپختگی کا سناٹا
دل و دماغ میں کرتا ہے ایسا حشر بپا
کہ سانس لیتی ہے عمر جواں کی پہلی تھکن
یہی مقام ہے جب سانس اکھڑنے لگتی ہے
کہ ہر نفس کا لگاتی ہے کش دلوں کی گھٹن
یہی حدیں ہیں جہاں سے شروع ہوتی ہے
وہ فکرِ خام کی پرواز تا بہ فکرِ رسا
ہزار کرب کا حامل ہے یہ تغیرِ قلب
جکڑ لے جیسے کوئی ناگ اپنی کنڈلی میں
یہی دیار روایات و اعتقاد کا ہے
یہیں ہوا ہے روایات و اعتقاد کا خون
یہ لوگ موت کے اعلان، زندگی کے ستون
ذرا سی بات پہ بے صبر اس طرح ہوں گے
کہ مر گئے ہوں سبھی ان کے دیوتا جیسے
کہ رائیگاں ہوا جیسے ریاض برسوں کا

وہ اضطراب وہ کس بل وہ سنسنی وہ تناؤ
وہ جوش و ہوش وہ اچٹا ہوا اقرار و سکوت
ہر قدم وہ چھلکتی ہوئی توانائی
کہ جیسے مار سیہ کنڈلی مارے پھن پھیلائے
سنبھلتا جائے ہوا ہی کی سرسراہٹ سے
سمٹتا رہے خود کو ذرا ذرا کھل کر

▲

حیات کا ابدی اضطراب ہیں یہ لوگ
عجیب کشتۂ عہد شباب ہیں یہ لوگ
ہر ایک دور نے ان کو کہا نئی تہذیب
ہر ایک دور کی قدریں انھوں نے بدلی ہیں
ہر ایک دور کی نظریں اٹھی ہیں ان کی طرف
کہ اس کو منزلِ نو تک یہ لوگ پہنچائیں
ہر ایک دور نے اس بات کی گواہی دی
کہ اس کے کرب کے آئینہ دار ہیں یہ لوگ
ہر ایک دور اسی سانحے پہ حیراں ہے
ابھر کے یہ نئی تہذیب کیسے مٹتی ہے
یہ وہ قدم ہیں کہ جن کا نشاں نہیں ملتا
یہ سر ہیں وہ کہ جنھیں آستاں نہیں ملتا

▲

اک نظر دیکھ کے کیوں آنکھ جھکا لی شاعر

نئی تہذیب رواں ہے کسی منزل کی طرف
کیا چھپائے ہوئے رہتے ہیں یہ پہلو پہلو
ہیں کسی گھات میں یا خود ہیں کسی کا یہ ہدف
اپنی تہذیب کے دامن کا ہیں سرمایہ یہی
دیکھ اے دیدۂ بینا، یہ ہیں موتی کہ خذف

▲

چپ ہے کیوں اے دلِ شاعر انھیں آواز تو دے
نغمہ و شعر کا، جذبات کو انداز تو دے

▲

نگہِ نکرا اٹھی اور جھکی کچھ ایسے
اس سے بڑھ کر نہ ہو بیکار تجسس جیسے
اور رگ رگ میں اترتی گئی نشتر کی طرح
یک بیک اٹھنے لگے دل سے ہزاروں پردے
دیکھتا کیا ہوں کہ مجھ ایسی ہزاروں نظریں
بت بنی گھورتی جاتی ہیں خلا کی جانب
اور آنکھوں سے نمایاں ہے تھکن قرنوں کی
ہونٹ یوں ساکت و صامت ہیں کہ بولیں گے نہ اب
ایک سے ایک ہے بیگانہ، دکھی سب کے سب
ان گنت چہروں پہ صدیوں کے تفکر کی ہے گرد
رائیگانی کے یہ پیکر یہ نشانِ عبرت
جن کے انجام سے آغاز نہیں ابھرے گا
یاد کے گنگ بیابانوں کے ویران کھنڈر
جیسے گر جائیں گے چپ چاپ یہ وقت آنے پر

▲

آہ یہ لوگ ہیں کون اور یہ دنیا کیا ہے
جو نہ دیکھا تھا ابھی تک وہ نظر آیا ہے
اتنی آہستہ و پرکرب ہے رفتارِ حیات
کیا ہوئے موت کے آوارہ و بیساختہ ہات
سانس لینے کا کوئی مانگتا ہو جیسے خراج
جیسے بے وجہ جئے جانے کا رائج ہو رواج
یہ کھلے ہونٹ خموشی سے ہیں یوں محوِ خطاب
ان کی آواز کا آیا نہ ہو جس طرح جواب
آنکھ کے سامنے تہذیب کا ریگستاں ہے
ذرّے ذرّے میں ہے وہ پیاس کہ ساگر پی جائے
اور یہ فلسفی، فنکار، مفکّر، شاعر
چاہتے ہیں اسے اشکوں سے بجھا کر رکھ دیں
آہ یہ چشمۂ ہستی سرِ موجِ آفاق
اف یہ احساس کی موجوں کی صدا انگیزی
آہ یہ بزمِ تصور کی سکوت افزائی
اے سکوتِ نگہِ واقفِ اسرارِ نہاں
سننے آئے ہیں یہی ہے وہ جگہ آ کے جہاں
اپنی آواز پہ اوروں کی صدا کا ہو گماں

یہاں سے اک نئی دنیا کا پھر آغاز ہوتا ہے
اسی دنیا میں شاعر مائلِ پرواز ہوتا ہے
گزر جاتا ہے جب فنکار غم کی خاص منزل سے
یقیں جب آنے لگتا ہے اسے خود پر تہہ دل سے
تمنا جاگتی ہے جب کہ ایسی جست لے ڈالے
کہ وہ کھو جائے اس وسعت میں اور رازِ دروں پا لے
تو بیداری جہاں ہوتی ہے سو سو غش بھی پڑتے ہیں
نکلتی ہیں نئی راہیں اگر تہذیب کی اس دم
تو صدیوں کا شگفتہ غنچۂ فن مر بھی جاتا ہے
یہ وہ تہذیب کا صحرائے بے پایاں ہے اے شاعر
کہ سیلِ ارتقا یک بارگی دم توڑ دیتا ہے
یہاں کا ایک ریلا وقت کا رخ موڑ دیتا ہے
اسے وسعت کہو یا ماورا یا آسماں کہہ لو
اسے صحرا کہو یا اس کو بحرِ بیکراں کہہ لو
بھٹکتی ہے یہاں جب فکر تو منزل نہیں ملتی
بغیرِ علم، زنجیرِ جنوں اس جا نہیں ہلتی
یہاں زورِ جنوں سے وہ رہائی دل نے پائی ہے
کہ شامل اس رہائی میں جنوں سے بھی رہائی ہے
یہ وسعت وہ ہے جس کو عالمِ اوہام کہتے ہیں
یہ وسعت وہ ہے جس میں سب حقائق کھوئے رہتے ہیں
یہی آفاق کی حد ہے یہی بس لامکانی ہے

یہاں احساسِ ناکامی کی اتنی سی نشانی ہے
کہ اس وسعت میں گھبرا کر کوئی آواز دے بیٹھا
تو باقی راز جو نظروں کو اپنے راز دے بیٹھا
یہاں اک دیدۂ بینا کا تھک جانا قیامت ہے
یہاں اک فکرِ دانا کا بھٹک جانا قیامت ہے
دلِ شاعر کو جب قدرت کے جلوے خوں رلاتے ہیں
دلِ فنکار جب ہوتا ہے تشنہ لمسِ الفت کا
پرانی یاد جب یوں زندگی میں دندناتی ہے
کھنڈر میں جس طرح طوفان کی آواز آتی ہے
لپکتے ہیں نگاہِ غیب سے جب موت کے کوندے
کہ جس دم دیوِ تنہائی خیال و فکر کو روندے
نگاہِ مضطرب جائے اماں کو جب ترستی ہے
یہ وسعت فکر کو دیتی ہے دعوت اور ڈستی ہے
اسی وسعت میں صدیاں جگمگا کر ڈوب جاتی ہیں
یہاں جی جی کے قومیں زندگی سے اوب جاتی ہیں

▲

یہی وسعت مگر ہے جائے مسکن خالقوں کی بھی
یہیں جب فلسفی کی اک نگاہِ تیز پڑتی ہے
تو یہ وسعت چھپا سکتی نہیں اپنا کوئی گوشہ
یہاں بیدار ہو جاتی ہیں جب سوئی ہوئی صدیاں
تو ایسے بہہ نکلتی ہیں خیال و فکر کی ندیاں

کہ ہو جاتی ہے بے پایانیِ فن اور حیراں کن
فروغِ دردِ دل کے ساتھ بڑھ جاتی ہے دل کی دھن
مصور جب اسی وسعت پہ مر مٹتا ہے مستی میں
تو آجاتی ہے یہ وسعت سمٹ کر نقشِ ہستی میں
یہاں مطرب نے جب قدرت سے پیدا کی ہم آہنگی
ابد تک گونجتی رہتی ہے اس دنیا میں لے اسکی
خبر ملتی نہیں جب جان و قرد الی تفکر کو
مفکر صورتِ حالات کی یوں شرح کرتا ہے
کہ پورا نقشۂ تہذیب ذہنوں میں ابھرتا ہے
زمانہ خود بخود پھر دیکھ کر اس کو سنورتا ہے
یہاں جب شارحِ فطرت کا کوئی بس نہیں چلتا
کہ شاعر کا تخیل حسنِ لفظی میں نہیں ڈھلتا
تو فکرِ راز گو ایسی خموشی میں بدلتی ہے
کہ پھر ہر بات پُر معنی خموشی سے نکلتی ہے
لبِ شاعر یہیں فطرت سے ہم آواز ہوتا ہے
یہیں خاموشیِ قدرت کا دل ہمراز ہوتا ہے
یہیں سے آرٹ اور قدرت کی سرحد ایک ہوتی ہے
یہاں تخئیل ہیرا ہے یہاں آواز موتی ہے
(اس جگہ یہ سوال اٹھتا ہے)
آرٹ کیا چیز ہے، خدا کیا ہے
تا کجا کیا ہے، ماورا کیا ہے

عالمِ آگہی کی سرشاری
منزلِ فکرِ نارسا کیا ہے
کیا ہے آہنگِ صورت و معنی
فکرِ خاموش کی صدا کیا ہے
کس تجسس کی ابتدا ہے فن
اس تجسس کی انتہا کیا ہے
یعنی خود آگہی ہے منزلِ دل
فن ذریعہ ہے اس کو پانے کا
اس تجسس کا کرب بھی فن ہے
کرب آگیں رہِ تجسس میں
فن ہی فن کار کا ہے ہمراہی
فن ہی خود منزلِ خود آگاہی
لیکن اس جستجو و منزل میں
اک بہت ہی لطیف ناتا ہے
یعنی اس جستجو کے حاصل میں
اتنا فن کار کھو سا جاتا ہے
کہ وہ من کی مراد پا کر بھی
منزلِ آگہی پہ آ کر بھی
اس کا احساس کر نہیں سکتا
اپنے فن کا ہے آئینہ فن کار
اس کا فن پایا ہے اس کا آئینہ دار

اور فن کار کے تصوّر کی
اس سے بڑھ کر نہیں کوئی تکمیل
کہ ہو فن کار حسنِ فن کی دلیل

▲

فلسفی اور مفکّر کی نظر کے صدقے
ان کو حُسن اس میں نظر آئے نہ آئے لیکن
عالمِ حسن اک ایسا بھی ہوا کرتا ہے
جس میں منطق کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا
یعنی جذبے کی لطافت ہے وہ احساسِ حسیں
جس کو محسوس تو کر سکتے ہیں کہہ سکتے نہیں

▲

کہکشاں آنکھ کو کیوں اتنی حسیں لگتی ہے؟
کیوں حسیں لگتا ہے آکاش پہ ہنس اُڑتا ہوا؟
جستِ شاہیں پہ نظر کھنچتی چلی جاتی ہے کیوں؟
کیوں شبِ ماہ میں لگتا ہے حسیں تاج محل
کیوں لبھا لیتی ہے بچّے کی ادائے معصوم
اس کی حیرانی و مستی میں کشش کیسی ہے
کسی ماحول میں ہوتا ہے وہ کیسا جادو
بیٹھے رہتے ہیں جو چپ چاپ وہاں پہروں ہم
وہ جو حیرت کدہ آواز کا موسیقی ہے
اس میں پاکیزگیٔ حسنِ صدا کیسی ہے

عالمِ وجد میں ہوتا ہے جو احساسِ جمال
کیا ہے وہ؟ حسنِ نظر، حسنِ ادا، حسنِ خیال
ہم کہا کرتے ہیں آواز کا جادو جس کو
وہ نزاکت ہے کہ شعلہ ہے کہ خوبی کیا ہے؟
وسعتِ عالمِ افکار میں آناً فاناً
جو جگا دیتی ہے جادو، وہ نظر کیا شے ہے
کسی اک گوندھے ہوئے ہار میں ہوتا ہے جو حسن
راز اب اس کا کوئی جانے تو مالن جانے

▲

فن میں یہ راز نہاں حسنِ ادا ہوتا ہے
جس کا فن کار کو اتنا ہی پتہ ہوتا ہے
اس نے آواز کے ہیروں کی لڑی گوندھی ہے
خود بخود فکرِ رسا جس میں جھلک اٹھتی ہے
اور شاعر اسی آواز پہ مر مٹتا ہے
راز جو جستجوِ راز پہ مر مٹتا ہے
بن کے رہ جاتا ہے فنکار سراپا مستی
اس کے کانوں میں نہیں پڑتی صدائے ہستی
اور ٹکراتے ہیں جب خواب و حقائق باہم
بھول جاتا ہے وہ فن کار کو اپنا عالم

▲

پھر کچھ اس شدّت سے آتی ہے صدائے زندگی

خالقِ فن چیخ چیخ اٹھتا ہے ہائے زندگی
دیکھتا کیا ہے کہ اس کا اور ہی انداز ہے
موت کی آواز سے ملتی ہوئی آواز ہے
زندگی کہتی ہے میرے ساتھ تو نے کیا کیا
کون سی دنیا ہے جس میں تو نوا پرداز ہے
میں نے یہ مانا کہ تیرا فن ہے تیری کائنات
یہ جہانِ غیب ہی گنجینۂ صد راز ہے
میں نے یہ مانا کہ تیرے دل کو ہے کچھ اور دھن
یہ بتا لیکن ترے جینے کا کیا انداز ہے
ہاں بتا کیا پائے گا تو مجھ سے رہ کر بے نیاز
جس پہ تو ہے نغمہ زن وہ زندگی کا ساز ہے
کس تجسس نے تجھے بیگانہ مجھ سے کر دیا
انتہا کیا ہوگی اس کی جس کا یہ آغاز ہے
لٹ گئے خوشیوں کی یادوں کے جواہر سب کے سب
بن پڑے تو غم کو زندہ رکھ یہی دمساز ہے
اک طرف تو آدمِ روزِ ازل کی ہے مثال
اور اِدھر انسانِ مستقبل کا بھی غماز ہے

▲

ایک ہی آواز اٹھتی ہے دلِ فنکار سے
موت کی آواز سے ملتی ہوئی آواز ہے
موت کی آواز سے ملتی ہوئی آواز ہے

موت کی آواز سے ملتی ہوئی آواز ہے

▲

میں تو سمجھا تھا کہ وہ منزل ہے میری زندگی
یعنی اس آزار کی حامل ہے میری زندگی
جس سے کھل جاتے ہیں دل پر راز ہائے ماورا
جس پہ آکر ختم ہو جاتی ہے حدِّ تا کجا
زندگی کچھ اور قدروں کی اگر حامل نہیں
کچھ علاوہ موت کے میری اگر منزل نہیں
زندگی میں موت کا مفہوم کیا شامل نہیں؟
صرف جینے میں تو کچھ مطلب چھپا ہوتا نہیں
اس طرح تو زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں
اور یہ الزام کیسے مجھ پہ عاید ہو گیا
جستجوئے فن میں میں اپنی حقیقت کھو گیا
جانتی ہے پہلے ہر فکرِ رسا محدود کو
پھر کہیں وہ جاننے لگتی ہے لامحدود کو
انتہا لا انتہا کیا؟ ہے ابھی تو ابتدا
عالمِ لا انتہا ہے بعد حدِّ انتہا

▲

میری مشکل یہ ہے اے میری حیاتِ بدحواس
میری مشکل کا نہیں ہے کوئی بھی حل تیرے پاس
کیوں زمانے سے مری بدلی ہوئی آواز ہے

میں جو ہوں بیگانہ و تنہا تو یہ کیا راز ہے
فاش ہونا چاہتا تھا اپنی نظروں پر، مگر
فاش اوروں کی نظر پر ہو گیا میں سر بسر
دوسروں کی آنکھ سے خود کو نہیں تکتا کوئی
اور خود میری نظر اٹھتی ہے مجھ پر رشک بھری
ایسے عالم میں بھلا کیا اعتبار آئے کوئی
خود کو کیوں بیگانہ و تنہا نہ پھر پائے کوئی
آہ میں کس سے کہوں عالم یہ محسوسات کا
کیوں یقیں آتا نہیں خود مجھ کو اپنی ذات کا

▲

کوئی اس موت سے نہیں آگاہ
جس سے غافل نہیں ہے میری نگاہ
بے سبب چیختا پھروں گا میں
قعرِ پستی میں جا گروں گا میں
وحشت آئے گی میری باتوں سے
دل دکھی ہوں گے میرے ہاتھوں سے
میرا انجام وہ بُرا ہو گا
سوچ سکتا نہیں کہ کیا ہو گا
خود پہ یوں اعتماد ٹوٹا ہے
ہر کوئی اب نظر میں جھوٹا ہے

▲

بن کے سیندور عشق کے غم نے
مانگ بھر دی عروسِ گیتی کی
جمگھٹوں میں، نئے رفیقوں میں
یوں ہے میرے وجود کا احساس
جیسے غم آشنا ہو بزمِ نشاط
رونقیں ہو گئی ہوں سنجیدہ
اجنبی ہو گئے ہوں رنجیدہ
میں نے دیکھا خلوص اپنوں کا
پیار نا آشناؤں کا پایا
جب بھی میں نے کسی کو کھویا ہے
دل مرا زار زار رویا ہے
مجھ کو کس کس کی یوں نہ یاد آئی
نہ ہوا کم یہ دردِ تنہائی
اے مری زندگی بتا مجھ کو
میرے دل میں جو درد کی ہے بساط
یہ کبھی تیرا نہیں تو کس کا ہے

▲

میں کہ شاعر ہوں، زندگی کا ہوں
میں جو کہتا ہوں سب کی کہتا ہوں
میری دولت ہے قدرتِ تنظیم
جس کا منبع ہے انتشارِ عظیم

کوئی شاعر ہو یا کوئی فن کار
فلسفی ہو کہ شارحِ افکار
رازجُو ہو کہ منتہی کوئی
آنکھ کس کی نہیں لہو روئی
کہ بہر طور ہم بھی انساں ہیں
اپنی اک جستجو کے خواہاں ہیں
ہر نظر پہ عیاں کبھی ہوں ہم لوگ
سب کے غم کی زباں کبھی ہوں ہم لوگ
حق کو بھی ہم تلاش کرتے پھریں
خود کو بھی سب پہ فاش کرتے پھریں
اور دنیا نے کُل ہمارا وجود
کہہ کے فن کار کر دیا محدود

جس کسی دور میں رہے اس نے
بول ہم کو عجب عجب بولے
اگلے وقتوں ہی کا کہا ہم کو
غم اسی بات کا رہا ہم کو
کہ یہ قدریں کسی زمانے کی
ہیں نہیں ہم سے میل کھانے کی
غم کے انداز کائناتی ہیں
تجربے سب کے اپنے ذاتی ہیں

ہم کہ ان تجربوں کے مارے ہیں
تجربے خاص جو ہمارے ہیں
اُن پہ جب ہم عبور پاتے ہیں
ایسی ہستی کا نور پاتے ہیں
جس کے سانچے میں فکر ڈھلتی ہے
زندگی کی روش بدلتی ہے
ہم اسی رو میں بہہ نکلتے ہیں
طرزِ دنیا سے یوں بدلتے ہیں
اصل و باطل کا فرق جانتے ہیں
بیش و کم کی حدود مانتے ہیں
اتنا کچھ جاننے کے بعد کہیں
آنکھ اٹھاتے ہیں دہر پر تو وہیں
فرقِ قدروں کا جان پڑتا ہے
فرقِ آواز آن پڑتا ہے

▲

گرچہ جویائے راز ہیں ہم لوگ
پیکِ سوز و گداز ہیں ہم لوگ
لیکن اک سادہ سا سوال یہ ہے
مات کھائی جو ہم نے پے در پے
کیا زباں اس کا ذکر کرتی ہے؟
ہم پہ جو کچھ بھی ہو گزرتی ہے

کیا وہ سب کچھ بیان ہوتا ہے؟
دل ہمارا جو خون روتا ہے
وہ الم کیا بیاں کے قابل ہے؟
کیا بیاں اس الم کا حاصل ہے؟

جس سے قائم ہماری ہستی ہے
جس سے یہ بیخودی و مستی ہے
کون جانے کہ کیا سہا ہم نے
کتنا چپ رہ کے کچھ کہا ہم نے

▲

ان کہنے والوں کے صدقے، انداز نیا آواز نئی
ہر لفظ کے اپنے معنی ہیں، اس معنی کے ہیں راز کئی
جب تارِ تصور میں کوئی کچھ محسوسات پروتا ہے
ہر لفظ کی مستی ہوتی ہے، ہر لفظ کا جادو ہوتا ہے
یہ منزلِ فن وہ منزل ہے جب غنچۂ فن کھل جاتا ہے
ہر لفظ لیے اپنی وسعت آواز میں گھل مل جاتا ہے
تب بات بیاں آجاتی ہے، کیا ہے آوازِ پسِ پردہ
ان لفظوں کے پیچھے آخر، ہے کون انسان چھپا بیٹھا
کس جذبے کو کیا لفظ ملے ان لفظوں کی آواز ہے کیا
ہے بات میں کتنی گہرائی، اس گہرائی کا راز ہے کیا
کس منزل کی غمّاز ہے وہ، کس عالم کی آواز ہے وہ
یہ شخص جسے کہتا ہی نہیں کھل کر ایسا کیا راز ہے وہ
اس دیوانے نے، خبطی نے، آخر ایسا بھی کیا جانا
کیوں اس نے بھری دنیا میں بھی یوں خود کو تن تنہا جانا
کیوں تنہا ہے، کیا سودا ہے، کس بات پہ اتنا حیراں ہے
دنیا سے ہے اس کی وضع الگ اے لوگو یہ کیا انساں ہے

▲

اے اہلِ جہاں لو آج سنو یہ بات بہت ہی آساں ہے
اس شخص نے اتنا جان لیا کیا پنہاں ہے، کیا عریاں ہے
یہ سنت نہیں، دیوانہ نہیں، اس شخص کا کوئی بھیس نہیں
جو دیس ہے باقی دنیا کا وہ اس کے لیے پردیس نہیں
یہ شخص نظر میں رہتا ہے، یہ شخص دلوں میں بستا ہے
من روتا ہے یہ روتا ہے، من ہنستا ہے یہ ہنستا ہے
ہم اپنی سی کہنے والے اگر آواز نئی کوئی سن لیں
وہ بات نئی کہنے والا بیگانہ نظر آتا ہے ہمیں
اک لازم ہے پہچان اپنی آساں ہے بہت پہچان اس کی
ہو سکتا ہے ہم تم ہی میں بیگانہ و تنہا ہر کوئی
جو بات نکلتی ہے چپ سے کیا اس کی نشانی ہوتی ہے
کیوں سب سے الگ ہو کر بھی وہ جانی پہچانی ہوتی ہے
اکثر کچھ بات نہ کہہ پانا کچھ کہتے ہوئے بھی شرمانا
کچھ کہہ کر بھی چپ رہ کر بھی پھر دل ہی دل میں پچھتانا
یہ راز نہیں کھلنے کا کبھی، ہم لوگ جو اتنا سہتے ہیں
ہم لوگ جو اتنا کہتے ہیں کس بات کی دھن میں رہتے ہیں
جب سوچ سمجھ لیتے ہیں اسے پھر کیوں ہم چپ چپ رہتے ہیں
اور اہلِ جہاں ہم لوگوں کو بیگانہ و تنہا کہتے ہیں

چند قابلِ مطالعہ کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
شیرازہ	مخمور سعیدی، پریم گوپال متل	۱۲/-
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل	۶/-
صحرا میں اذان	گوپال متل	۶/-
آواز کا جسم	مخمور سعیدی	۱۰/-
سیہ بر سفید	مخمور سعیدی	۴/۵۰
دامن کی آگ	مانکٹالا	۶/-
اعراف	عبدالرحیم نشتر	۴/۵۰
حروف	بدیع الزماں خاور	۴/۵۰
ولاس یاترا	کمار پاشی	۱۰/
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی	۱۵/-
شہرِ خیال	جلیس نجیب آبادی	۴/۵۰
۱۹۷۱ء کی منتخب شاعری	کمار پاشی، پریم گوپال متل	۴/-
میں گواہی دیتا ہوں	اناتولی مارچینکو	۴/-
قوموں کے قاتل	رابرٹ کنکوئسٹ	۳/-
میرا وطن ہندوستان	بدیع الزماں خاور	۴/-

پی۔ کے پبلیکیشنز، ۳۰۷۲، پرتاپ اسٹریٹ، دریا گنج، دہلی ۶